واش روم کا دروازہ کھول کر جوں ہی قدم کمرے میں رکھے تھے ماں کو بیڈ پر بیٹھا کینہ توز نظروں سے خود کو دیکھتے پایا تھا۔ متوقع عزت افزائی کے لئے خود کو تیار کرتی وہ تولیے میں لپیٹے بال آزاد کرتی آگے قدم بڑھاتی ڈریسنگ ٹیبل کی جانب بڑھی تھی۔

"صفائی کرلی تھی تم نے شانزے؟" انکے پوچھنے پر اس نے آئینے میں سے ہی خفگی بھری نگاہ ان پر ڈالی تھی۔

"دیکھ تو آئی ہیں ماما پھر پوچھ کیوں رہی ہیں۔" نم دراز بالوں کو دائیں کندھے پر آگے کی جانب ڈالے وہ اب تولیے سے رگڑ کر خشک کر رہی تھی۔

"دیکھ آئی ہوں تبھی تو یہاں ہوں۔" وہ طنز کرتیں بیٹی کے دھلے دھلائے شاداب چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔ کوئی اور وقت ہوتا تو بڑی محبت سے اسکے بالوں کو خشک کرتے برش کرتیں مگر فلحال اس کے تازہ تازہ کارنامے نے پارہ ہائی کر رکھا تھا۔

"ماما پورا پورشن تو چمکا آئی ہوں آپ پھر بھی خوش نہیں ہوتیں مجھ سے۔ صبح کی لگی ہوئی ہوں مگر مجال ہے جو ایک ذرا سی تعریف کر دیں بس غصہ ہی ہوتی رہتی ہیں۔" متوقع ڈانٹ سے کچھ نہ کچھ بچت کے لئے جوابی کاروائی ضروری خیال کرتی وہ روٹھے روٹھے انداز میں کہتی پلٹی تھی۔ بیڈ پر انکے پاس رکھے دوپٹے کو اٹھا کر کھولتے شانوں پر برابر کیا۔

"ضرور کرتی تمہاری تعریف اگر تم اس ایک کمرے کے ساتھ سوتیلوں والا سلوک نہ کرتی تو۔ پتہ نہیں کیا خار ہے تمہیں اس سے۔ ہر بار یہی کرتی ہو۔ پورا پورشن لش پش کر کے آ جاؤ گی اور اس ایک کمرے کو یوں چھوڑ کر آ جاتی ہو جیسے وہاں سانپ بچھو بیٹھے ہوں۔" اسکی جذباتی تقریر کا بنا اثر لئے اسے گھور کر اب وہ گھرک رہی تھیں جو منہ بسور کر خاموشی سے سن رہی تھی۔ یہ سب کوئی نئی بات تو تھی نہیں۔ ہر ماہ اسکی والدہ کو بقول اس کے اوپر والے پورشن کی صفائی کا دورہ پڑتا تھا اور پھر اس سب میں درگت اسکی بنتی تھی۔ ایسے میں اسکا آدھا دن اوپر والے پورشن کی نذر ہو جاتا تھا۔ پوری دلجمعی سے ایک ایک کونہ کھدرہ صاف کرنے کے باوجود اسے انکی باتیں سننی پڑتی تھیں ۔وجہ تھی اس ایک کمرے میں اسکے جھانک کر دیکھنے تک کی زحمت گوارہ نہ کرنا۔

"سانپ بچھو نہیں ناگ دیوتا کہیں۔" نخوت سے سر جھٹک کر منہ ہی منہ بڑبڑاتے اس نے جیسے انکی اصلاح کی تھی۔

"کیا کہا ابھی تم نے؟" انکی سماعتوں تک اسکی آواز صحیح سے پہنچی نہیں تھی ورنہ ایک اور گھنٹے کی کلاس لگنا لازم ہو جانا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews
zubinovelszone.com

"کچھ نہیں کہہ رہی ماما۔آج بہت تھک گئی ہوں۔اب کل جا کر صاف کر آؤں گی لارڈ صاحب کا کمرہ۔" جان خلاصی کے لئے کہتے وہ واپس مڑ کر بالوں میں برش کا ارادہ رکھتی تھی۔

"رہنے دو تم۔ کرنے والی ہوتی تو آج ہی کر کے آتی۔میں خود جا کر کر لوں گی تم اتارو اپنی تھکن۔پہاڑ توڑ آئی ہو نا جیسے۔" اسے سخت نظروں سے گھورتے وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں جب ہاتھ میں لیا برش اس نے پٹخنے کے سے انداز میں واپس ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا تھا۔

"ماما۔۔۔۔" وہ احتجاجی آواز میں چیخی تھی مگر وہ بنا رکے دروازہ کھول کر کمرے سے نکل گئی تھیں۔

"رکیں تو سہی۔جا رہی ہوں میں پھر سے کام والی ماسی بننے۔ابھی شاور لیا تھا پھر سے بھوتنی بن کر آؤں گی واپس۔" انکے پیچھے پیچھے کمرے سے نکلتے سے بالوں پر اچھے سے دوپٹہ لپیٹتے ہوئے وہ تیزی سے چلتے ہوئے ان سے پہلے سیڑھیاں عبور کر گئی تھی ۔دھپ دھپ ناراضگی و غصے سے سیڑھیاں چڑھتے انکی آواز نے اسکا تعاقب کیا تھا۔

"اب احسان کر ہی رہی ہو تو ایک اور مہربانی کر دینا ماں پر۔اس بار کوئی چیز توڑے بنا واپس آجانا۔ہر بار کچھ نہ کچھ توڑ کر آتی ہو یہی حال رہا نا تو ایک دن وہ کمرہ سامان سے

خالی ہو جانا ہے۔" ایک نظر پلٹ کر انہیں دیکھا تھا جو نیچے کھڑی پہلو پر ہاتھ رکھے خشمگیں نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھیں پھر روہانسی شکل بنا کر باقی کی سیڑھیاں چڑھ گئی تھی۔

جھاڑو اٹھا کر جس لمحے وہ اس کمرے کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی اسے وہ کمرہ بھی خود پر ہنستا محسوس ہوا تھا۔ غصے بھرے انداز میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ تیز تیز ہاتھ چلاتے سب سے پہلے جالوں پر ہاتھ صاف کیا تھا۔ پھر جھاڑو لگا کر آخر میں ڈسٹنگ کی باری آئی تھی۔ پورا کمرہ آدھے گھنٹے کے بعد چمک رہا تھا۔ اک مطمئین سی نگاہ چاروں اطراف ڈال کر وہ کمرے سے نکل جانے کو تھی مگر پھر اماں کا جلالی چہرہ نظروں کے سامنے لہرایا تھا۔ روہانسی ہو کر وہ بیڈ کے اوپر چڑھی تھی پھر بیڈ کراؤن کے اوپر دیوار پر آویزاں اس ان لارج فوٹو فریم کو یوں گھورا تھا جیسے وہ صحیح سالم اس کے سامنے کھڑا ہو اور وہ اپنی آگ برساتی نظروں سے اسے بھسم کرنے کا تہیہ کیے ہوئے ہو۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل پر موجود اسکی تصویر تو وہ عرصہ ہوا دراز میں قید کر چکی تھی یہ کہہ کر کہ صفائی کرتے ہوئے اس سے چیزیں ٹوٹ جاتی ہیں کسی دن وہ بھی گر گئی تو فریم پر فاتحہ پڑھنے کی نوبت آجائے گی وہ الگ بات کہ چیزیں اس کے ہاتھ سے صرف اسی کمرے کے اندر ہی صفائی کرتے ٹوٹتی تھیں ورنہ وہ اپنی اماں کی کافی سگھڑ بیٹی ثابت ہوئی تھی۔

"سانپ بچھو اونہہ۔۔۔۔یہاں شاہ جنات بستے ہیں اور ماما خواہ مخواہ ادنی سے حشرات سے انکا موازنہ کرنے بیٹھ جاتی ہیں۔" بے دلی سے کپڑا فریم کے شیشے پر مارتے وہ حتی الامکاں اسکے چہرے کے خدوخال پر نظر کرنے سے گریز برتتی رہی تھی۔

"انکے توکر توتوں پر ہی گرد پڑی ہوئی ہے کیا ہو جائے اگر تھوڑی سی چہرے پر بھی پڑ جائے تو مگر یہ بات میری ماں کو کون سمجھائے؟" تیزی سے جان چھڑانے والے انداز میں سیدھا الٹا ہاتھ مارتے وہ نیچے اتری تھی۔اب سب ٹھیک تھا۔ایک گہرا اسکوں آمیز سانس خارج کرتے وہ باہر نکلنے کو تھی جب نظر دروازے کے ساتھ ملحق دیوار کے ساتھ رکھے درمیانے سائز کے بک ریک پر سجے گلدان پر پڑی تھی۔اسکی آنکھوں میں اک بجلی سی کوندی تھی۔اتنی دیر سے چہرے پر چھائے کوفت اور بیزاریت کے سارے آثار یکلخت زائل ہوئے تھے۔اگلے ہی لمحے اس نے مسکراتے ہوئے اس گلدان کو دونوں ہاتھ میں احتیاط سے اٹھا کر تھوڑا اونچا کیا تھا اور پھر دونوں ہاتھ پیچھے کرتے آنکھیں میچ کر دو قدم پیچھے لئے تھے۔چھناکے کی آواز آئی تھی اور نیچے سفید فرش پر نیلے کانچ بکھرتے چلے گئے تھے۔

"آہ! چس آگئی قسم سے۔" آنکھیں بند کرتے اس نے پر لطف انداز میں ٹھنڈی آہ بھری۔

"اب صفائی کرتے ہوئے میرا دوپٹہ لگ گیا تو اس میں میری کیا غلطی۔" شانے اچکا کر معصومیت سے کہتے اس نے کانچ صاف کرنے کو خوشی خوشی اس بار جھاڑو اٹھایا تھا ۔اس کمرے کے در و دیوار نے تاسف سے اس خبطی سی لڑکی کو دیکھا تھا جو اس کمرے کے مکین سے اپنی سرد جنگ کا بدلا وہاں کی چیزیں توڑ کر لیتی تھی جس کے قدموں کی آہٹ تک پچھلے کہیں سالوں سے اس در و دیوار کو سننا نصیب نہیں ہوئی تھی ۔

. . . .

.

"ابو! دیکھیں میرے پودے پر پہلا پھول لگا ہے۔" لاؤنج میں چائے کی چسکیوں کے ساتھ وہ اخبار پڑھنے میں گم تھے جب کھلے داخلی دروازے سے وہ چہچہاتی ہوئی آئی تھی ۔اخبار کا ایک کونہ موڑ کر انہوں نے عینک کے پیچھے سے اپنی نور نظر کو دیکھا تھا جس کے چہرے پر چار سو چالیس واٹ کا بلب روشن تھا۔

"کیا قیامت آگئی ہے جو صبح صبح چینخ رہی ہو۔" کچن سے جھنجلائی آواز کے ساتھ صائمہ باہر نکل آئی تھیں۔بیٹی کی چینخ و پکار کبھی کبھی طبیعت پر بڑی گراں گزرتی تھی۔

"قیامت نہیں آئی ماما پہلا پہلا پھول کھلا ہے وہ بھی اتنا خوب صورت۔آئیں آپ کو بھی دکھاؤں۔" اپنی ہی ترنگ میں کہتی ساتھ آفر کی گئی۔

"مجھے معاف رکھو تم۔ کچن میں بہت کام پڑا ہے ابھی۔ تم ہی جشن مناؤ۔" اسکی بچگانی حرکتوں پر کڑھتی وہ واپس مڑ گئی تھیں۔ جب اخبار رکھتے عینک اتار کر، محمود صاحب مسکرا کر اٹھے تھے۔

"تمہاری ماں کو باغبانی کا شغف ہی نہیں ہے ورنہ اسے پتہ ہوتا جب نیا پھول کھلتا ہے تو دل کو کیا خوشی میسر آتی ہے۔ چلو بھئی اپنے باذوق باپ کو اس خوشی سے ہمکنار کراؤ تم۔" بیٹی کے شانے پر بازو دراز کرتے راز و نیاز کرتے وہ باہر کی جانب بڑھ گئے تھے۔

اور پھر آدھا گھنٹہ وہ دونوں لان میں لگے پودوں پر سیر و حاصل گفتگو کرتے رہے تھے۔ بلاآخر صائمہ کو خود ہی آکر ناشتہ تیار ہونے کی اطلاع دینی پڑی تھی۔

"ان باپ بیٹی کے چونچلوں کے چکر میں ناشتہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔" منہ ہی منہ بڑبڑاتی ہوئیں وہ میز سیٹ کر رہی تھیں۔ شانزے اور محمود صاحب ایک ساتھ ڈائننگ ٹیبل کی طرف آئے تھے۔

"اب ناشتہ کر کے کچن میں نظر آؤ مجھے تم۔" چائے کا کپ شوہر کے آگے رکھتے ہوئے انہوں نے انکے ساتھ بیٹھی بریڈ دانتوں سے کترتی بیٹی کو گھورا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے بیگم کیوں میری بیٹی کو صبح صبح عتاب کے نشانے پر رکھے ہوئی ہیں۔" بیٹی نے اترے چہرے کو دیکھتے انہوں نے بیوی سے پوچھا تھا۔

Zubinovelszone.com
NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"بیٹی کے بھی کارنامے ملاخطہ فرمایا کیجئے محمود صاحب۔کل پھر میسم کے کمرے میں گلدان توڑ کر آئی ہے۔خدا جانے کیا بیر ہے اسے اس کمرے کی چیزوں سے۔کچھ نہ کچھ توڑ کر ہی آتی ہے۔اور وہ بھی چن چن کر وہ چیزیں جو بچے نے اپنی پسند سے لائی تھیں۔میں تو یہ سوچتی ہوں خیر سے جب کبھی وہ واپس آئے گا اسکے کمرے کا صفایا نہ ہو چکا ہو۔"بنا لگی لپٹی رکھے انہوں نے بھی ساری روداد انکے گوش گزار کر دی تھی۔اس سب کے دوران وہ چہرے پر دنیا جہاں کی مسکینیت طاری کر چکی تھی۔ محمود صاحب ہنس دیے تھے اور اس ہنسنے نے صائمہ کو اور بھی پتنگے لگائے تھے۔

"بس آپ کے ہی لاڈ پیار نے بگاڑ کر رکھا ہوا ہے اسے۔خیر سے کل اس کو بیاہنا بھی ہے۔سسرال والے تو یہی کہیں گے ناماں نے کچھ سیکھا کر نہیں بھیجا۔خوب ناک کٹوائے گی اگلے گھر جا کر ماں کی۔"سر کو نخوت سے جھٹکتے انہوں نے اپنی چائے سامنے سرکائی تھی۔

"ابو۔میں نے کون سا جان بوجھ کر توڑا ہے بس لگ گیا میرا دوپٹہ بے دھیانی میں اور ٹوٹ گیا گلدان۔"وہ جو بھرپور انداز میں اپنا دفاع کرنے لگی تھی ماں کی تنبیہی نظروں پر آخر میں منمنا کر رہ گئی۔

"ہاں ہاں یہ ساری بے دھیانیاں وہیں جا کر تو یاد آتی ہیں تمہیں۔" چائے کا سپ لیتے وہ اس کے لتے بھی ساتھ خوب لے رہی تھیں۔

"کیا ہو گیا ہے صائمہ۔ کہہ تو رہی ہے بے دھیانی میں ہو گیا ہے ایسا۔ ویسے بھی میری بیٹی بہت سمجھدار ہے اور جو بھی کام اپنے ذمہ لیتی ہے پوری ایمانداری سے کرتی ہے۔ بھلا جان بوجھ کر وہ ایسا کیوں کرے گی۔" وہ اسکی حمایت میں بول رہے تھے اور معصومیت بھری مسکراہٹ چہرے پر لئے اس نے شدومد سے گردن ہلائی تھی۔ دل میں کمینی سی خوشی کا احساس جاگا تھا۔

"یہ تو بالکل ٹھیک کہا آپ نے ابو۔ میں پوری ایمان داری سے اپنے زمے سارے کام کرتی ہوں جیسے اس کمرے کی چیزیں توڑنا۔"

"سبرینہ کافی دنوں سے گھر نہیں آئی؟" ناشتہ کرتے ہوئے انہیں بڑی بیٹی کا خیال آیا تھا یا انہوں نے جان بوجھ کر موضوع بدلا تھا مگر صد شکر صائمہ کا دھیان اب بٹ گیا تھا۔ شانزے نے سکوں آمیز سانس لیتے ناشتے کی جانب اپنی پوری توجہ مرکوز کی تھی۔ صائمہ اب محمود کو سبرینہ کے بارے میں بتا رہی تھیں اور اب وہ سکوں سے ناشتہ کر سکتی تھی۔

. . . .

آفندی ہاؤس میں کبھی خوب رونقیں ہوا کرتی تھیں جب نچلے پورشن میں محمود آفندی اور اوپر والے پورشن میں بڑے بھائی سجاد آفندی کی فمیلیز بسا کرتی تھیں۔کھلے سے رقبے پر بنے اس گھر کے دونوں پورشن ایک سے طرز پر تعمیر کیے گئے تھے۔تین بیڈ رومز،ڈرائینگ روم،کچن اور اس سے ملحق ڈائینگ روم کے ساتھ ٹی وی لاؤنج۔جدید طرز پر بنے ایک جیسے پورشنز والے اس گھر کے مکین بھی ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔سجاد آفندی کے تین بیٹے تھے۔محمود آفندی کو اللّٰہ نے دو بیٹیوں سے نوازا تھا۔اس گھر میں ہر وقت چہل پہل رہا کرتی تھی۔اوپر نیچے کرتے دن کب شروع ہوتا اور کب اختتام پزیر کچھ پتہ نہ لگتا تھا۔پھر تلاش معاش نے جیسے سب کو بکھیر کر رکھ دیا۔سجاد کے بڑے بیٹے زید اپنے بیوی بچوں کے ساتھ بیرون ملک شفٹ ہو گئے۔تو چھوٹا بیٹا علی جاب کے سلسلے میں کراچی رہائش پزیر ہو گیا۔رہا میسم تو اسے بھی عرصہ ہوا تھا پردیس گئے ہوئے۔جب تک سجاد کی بیوی زندہ تھیں وہ یہیں رہے۔پھر انکی وفات کے بعد علی کے اصرار پر اسکے ہمراہ کراچی چلے گئے۔اب کبھی خوشی غمی یا عید کے عید ہی اس گھر کی رونقیں بحال ہوتی تھیں۔وہ بھی جب زید اور علی اپنے بیوی بچوں کے

ہمراہ آتے تھے۔ رہا میسم تو اسے عرصہ ہوا تھا نیویارک گئے ہوئے۔ وہ صرف ایک بار واپس آیا تھا اپنی ماں کی بیماری کے آخری دنوں میں۔ وہ بھی صرف کچھ دن رہا تھا انکی وفات کے بعد جو واپس گیا تو آٹھ سال ہوئے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ خود محمود صاحب کی بڑی بیٹی بیاہ کر اپنے گھر کی ہو چکی تھی۔ اب آفندی ہاؤس میں آجا کر تین لوگ بستے تھے۔ محمود، صائمہ اور شانزے۔

شانزے کی تعلیم مکمل ہو چکی تھی۔ آج کل ایک دو رشتے بھی زیر بحث تھے۔ ایسے میں اسے رخصت کرنے کے خیال سے ہی محمود آفندی کا دل ہولنے لگتا تھا۔ اس کی موجودگی میں گھر، گھر سا لگتا تھا۔ محبت تو انہیں دونوں بیٹیوں سے ہی تھی۔ مگر اپنی فرمانبرداری اور چہچہاتی ہنس مکھ طبعیت کے باعث اس سے انسیت زیادہ تھی۔ پھر تھی بھی وہ انکے گھر کی چھوٹی اولاد تو اس ناطے بھی دل کے زیادہ قریب تھی۔ فلحال تو وہ ٹال مٹول سے کام لے رہے تھے۔ صائمہ جب بھی کسی رشتے کا ذکر کرتیں تو وہ یہ کہہ کر ٹال دیتے کہ اگلی بار سجاد آفندی کے آنے پر ان سے صلح مشورہ کر کے کوئی فیصلہ کریں گے۔ مگر وہ خود بھی جانتے تھے یہ تدبیر صرف دل کو بہلانے کے مترادف ہے ایک نہ ایک دن بیٹی کو رخصت تو انہیں کرنا ہی تھا۔

. . . .

رات کھانے کے بعد صائمہ تو کچن سمیٹ کر نماز پڑھنے چلی گئی تھیں۔ جبکہ وہ اپنے اور محمود آفندی کے لئے چائے کے دو کپ لئے ٹی وی لاؤنج میں ڈیرہ جما کر بیٹھ گئی تھی ۔ٹی وی سکرین پر ہلکی آواز کے ساتھ پولیٹیکل ٹاک شو لگا ہوا تھا مگر اس جانب توجہ کسی کی نہیں تھی۔ سامنے میز پر لڈو کی بساط بچھی ہوئی تھی اور سنگل صوفے پر محمود جبکہ پاس ہی نیچے کشن پر وہ خود براجمان تھی۔امی کی متوقع ڈانٹ سے بچنے کے لئے وہ محمود صاحب کی گوٹ مارنے کے بعد خوشی کا اظہار بھی بہت دھیمی آواز میں کر رہی تھی ۔جب کہ ہار کے دہانے پر کھڑے محمود صاحب پر سوچ نظریں اپنی بچی دو گوٹ پر جمائے ہوئے تھے۔شریر نظروں سے انہیں دیکھتی وہ سامنے پڑے باؤل میں سے چپس نکال کر منہ میں رکھ رہی تھی جب انکے فون بجنے پر بدمزہ ہوئی تھی۔

جیب سے موبائل برآمد کرتے سکرین پر جلتے نام کو مسکرا کر دیکھتے انہوں نے ریموٹ سے اینکر پرسن کی آواز کا گلا بالکل ہی گھونٹ کر رکھ دیا تھا۔دوسرے ہاتھ سے کال ریسیو کر کے موبائل کان سے لگایا جا چکا تھا۔

"وعلیکم سلام بیٹا کیسے ہو۔" خوش دلی سے کہتے وہ پیچھے ہو کر بیٹھے تھے۔

"میں بھی ٹھیک ہوں الحمدللہ۔ تمہاری چاچی بھی ٹھیک ہیں۔" شانزے منہ میں چپس رکھتے بے زاری سے ٹی وی سکرین دیکھتی کال بند ہونے کا انتظار کرنے لگی تھی۔

"آج تو بڑے دنوں بعد کال کی۔میں صبح بھی ذکر کر رہا تھا صائمہ سے کہ میسم کی کال نہیں آئی کافی دن ہوئے۔" محمود کہہ رہے تھے اور میسم نام پر اسکے کان کھڑے ہو گئے تھے۔شدید بدمزہ ہوتے ہوئے اس نے سامنے بچھی لڈو کی گیم پر دل ہی دل فاتحہ پڑھ ڈالی تھی۔اور فہمائشی نظروں سے اپنے باپ کو دیکھا تھا جو ابھی دو دن پہلے اس سے ایک گھنٹہ بات کر کے بھی بہت دنوں بعد کال کا گلہ کر رہے تھے۔بے دلی سے گوٹ اکٹھی کرتے اسکا موڈ بری طرح سے آف ہو چکا تھا محمود صاحب اسکی طرف متوجہ نہیں تھے۔لڈو اٹھا کر اٹھتی وہ جانتی تھی اگلے آدھے پونے گھنٹے تک اب انہیں فرصت ملنے والی نہیں تھی۔ویسے تو اس کے منہ میں زبان نہیں ہے اسے دیکھ کر لگتا ہے جیسے مہینوں بعد کبھی بولتا ہو گا مگر محمود آفندی سے پتہ نہیں کیسے اتنی دیر تک اور کیا کیا باتیں کر لیتا تھا۔اور یہی بات اسے اور بھی چبھتی تھی۔

. . . .

.

رات وہ جلدی اٹھ کر سونے چلی گئی تھی مگر صبح ناشتے کی ٹیبل پر اسکے سر پر بم پھوڑا گیا تھا۔میسم عبّاس واپس آ رہا تھا۔صبح صبح ہی اسکی بھوک پیاس سب اڑ گئی تھی۔اڑے اڑے حواس کے ساتھ وہ منددلی سے ناشتہ کر رہی تھی جبکہ اس کے برعکس محمود اور

صائمہ بڑے خوش اور پر جوش تھے۔اسے بھی خوشی ہوتی اگر یہی اطلاع زید یا علی کی آمد کے بارے میں ہوتی۔تب تو اسکی خود کی استقبالی تیاریاں عروج پر ہوتیں۔

گھر کی صفائی کے بعد اس نے کھڑاک سے سبرینہ کو کال ملائی تھی۔اور اسکی توقع کے عین مطابق شام کو وہ گھر پہنچ چکی تھی۔اس وقت اپنے اور اسکے مشترکہ کمرے وہ دونوں بہنیں بیٹھی ہوئی تھیں۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے اتنے عرصے بعد اسے واپسی کی کیا سوجھی؟" اپنے بستر پر نیم دراز وہ کہنی تکیے پر ٹکائے اپنا سر ہاتھ پر رکھے اسے دیکھ رہی تھی جو اس سے ذرا فاصلے پر اپنے بیڈ پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔

"ابو بتا رہے تھے انکا جاب کنٹریکٹ ختم ہو گیا ہے تو ظاہری بات ہے واپس تو آنا ہی تھا۔" اس نے اطلاع دی تھی۔

"خیر آتا ہے تو آتا رہے ہماری بلا سے۔خاندان بھر میں کوئی سیدھے منہ بات تو کرتا نہیں یہاں تک کہ تایا ابو بھی بمشکل ہی بات کرتے ہیں اور ایک ہمارے ابا کو اسکی محبت کا بخار چڑھا ہوا ہے۔۔" ناک منہ چڑھا کر کہا گیا تھا۔

"مجھے تو یہی نہیں بھولتا کہ انہوں نے فریحہ بھابھی کے ساتھ کیا ظلم کیا تھا۔" وہ اداسی سے بولی۔سالوں پہلے کی بھولی بسری یاد پھر سے تازہ ہونے لگی تھی۔

"بھولنے والی حرکت کی بھی تو نہیں تھی۔اور پھر کون سا فریحہ پر ہی بس کر دی تھی وہاں امریکہ میں جس انگریز لڑکی سے شادی رچائی تھی وہ کون سا کامیاب ہو پائی۔اب یہ تو نہیں ہو سکتا نا کہ اس کی زندگی میں آنے والی عورتوں کا ہی ہر بار قصور ہو باقی سب غلط اور ایک وہ سب صحیح ہو۔یقیناً اسکی ذات میں ہی کچھ کمی ہو گی جو کوئی بھی لڑکی زیادہ عرصہ اسے جھیل نہیں پاتی۔میں تو شکر پڑھتی ہوں اللہ نے مجھے بچا لیا ورنہ فریحہ کی جگہ میں ہوتی۔"اک جھر جھری سی لے کر کہتی وہ اٹھ بیٹھی تھی ساتھ ہی اپنے کھلے بکھرے شانوں سے نیچے آتے خوب صورت بالوں کو سمیٹا تھا۔شانزے نے اس سے متفق ہوتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔واقع ہی یہ سبرینہ کی اپنی دلیری تھی یا اچھی قسمت جو وہ گھر کے بڑوں کے فیصلے کے سامنے ڈٹ گئی تھی۔ورنہ تایا ابو اور ابو دونوں کی خواہش میسم اور سبرینہ کو ایک ساتھ دیکھنے کی تھی۔میسم نے تو کوئی اعتراض نہیں کیا تھا مگر سدا کی پر اعتماد اور منہ پھٹ سبرینہ نے جھٹ سے اپنا مقدمہ بڑوں کی عدالت میں پیش کر دیا تھا۔وجہ تھی اسے میسم کا ایک آنکھ نہ بھانا۔دونوں کے مزاج میں زمین و آسمان کا فرق تھا میسم کی حد درجہ سنجیدگی اور کم گوئی کے باعث وہ گھر بھر میں سب سے الگ دکھتا تھا۔اس پر مستزاد اسکی ریزروسی لئے دیے والی نیچر سے سبرینہ کو سخت خار تھی۔اور یوں اسکی مرضی نہ دیکھ کر بڑوں نے بھی چپ سادھ لی تھی۔اسکے انکار

نے سب سے زیادہ دکھی بشریٰ کو کیا تھا۔اپنے خوبرو ولائق بیٹے کے لئے اسکا صفا چٹ انکار انکے دل پر برچھی کی طرح لگا تھا اوران پر دھن سی سوار ہو گئی تھی وہ جلد از جلد بیٹے کے لئے چاند سی بہو لانے میں سرگرم عمل ہو چکی تھیں۔کچھ ہی وقت میں آناً فاناً وہ اپنے دور پار کی رشتے داروں میں سے فریحہ کو بیاہ کر گھر لے آئی تھیں۔جس کے چند ماہ بعد ہی گھر میں جو تماشہ لگا تھا جس نے سبھی ذہنوں پر اتنے عرصے بعد بھی انمٹ نشان چھوڑے ہوئے تھے۔خاص کر کے شانزے محمود جو اس واقعے کی چشم دید گواہ تھی۔

. . . .

صبح فجر کی نماز پڑھ کر وہ سو گئی تھی اور خلاف معمول صائمہ نے اسے جگایا بھی نہیں تھا ۔اب خود سے جو آنکھ کھلی تھی تو صبح کے ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔باہر سے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں پہلا خیال سبرینہ کا ہی آیا تھا۔وہ اکثر صبح وسویرے ہی آتی تھی جب شایان آفس جاتا تو جاتے ہوئے اکثر اسے یہاں ڈراپ کر جایا کرتا تھا۔خوشی خوشی اٹھ کر واش روم میں منہ پر پانی کے چھپاکے مار وہ گیلے چہرے کے ساتھ ہی باہر نکل آئی تھی۔

لاؤنج میں محمود آفندی کے سامنے اسکی طرف پشت کیے بیٹھے شخص کو دیکھ کر اسکے تیز قدموں کی رفتار دھیمی پڑتی تھم گئی تھی۔وہ شایان تو نہیں تھا اتنا تو وہ جان گئی تھی پھر کون تھا جسے ڈرائنگ روم کے بجائے لاؤنج میں بٹھایا گیا تھا۔متذبذب سی وہیں کھڑی وہ سوچ میں پڑ گئی تھی آیا آگے جائے یا یہیں سے واپس کمرے کی راہ لے جب محمود آفندی کی نگاہ اٹھی تھی۔

"شانزے آجاؤ بیٹا! دیکھو کون آیا ہے؟"ابو کی پکار پر وہ مسکرا کر دوپٹہ شانوں پر برابر کرتی ایک کونہ سر پر ٹکائے آگے بڑھی تھی۔صوفے کے پیچھے سے گھوم کر جب وہ محمود صاحب کے پہلو میں جا کر کھڑی ہوئی تھی تب اس شخص کا چہرہ اسے پوری طرح دکھائی دیا تھا اور سلام کرنے کے لئے کھلا منہ کھلے کا کھلا ہی رہ گیا تھا۔

آٹھ سال بعد اسے ضرور دیکھ رہی تھی مگر اسکے نین نقش اب بھی ذہن کی تختی پر پوری طرح نقش تھے۔وہ بھی ٹھوڑی اٹھا کر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔پہلے سے قدرے بھری جسامت اور صاف رنگت کے ساتھ اپنے تیکھے نین نقوش اور تھکاوٹ و نیند کی کمی کے باعث ہلکی گلابی ڈوروں والی آنکھیں لئے وہ اسے پہچان تو گئی تھی رہی کسر محمود صاحب نے پوری کر دی تھی۔

"میسم آیا ہے ابھی کچھ دیر پہلے ہی۔اور میسم یہ شانزے ہے۔ پہچانا تم جب گے تھے تب تو بہت چھوٹی تھی۔"خوش دلی سے بیک وقت دونوں کو متعارف کروایا گیا تھا۔ میسم اسکی ہونق بنی شکل سے نظر ہٹاتا مسکرا کر محمود آفندی کی جانب متوجہ ہوتا سر ہلا گیا تھا ۔وہ اسے نہ پہچانتا اگر محمود اسے اسکے نام سے نہ پکارتے۔جب وہ گیا تھا تب وہ بارہ سال کی تھی۔دو پونیاں بنائے پورے گھر میں اچھلتی کودتی پائی جاتی تھی۔ جس کی شرارتوں سے پورے گھر میں اک بھونچال سا آیا رہتا تھا۔ مگر اسکی سنجیدہ طبیعت کے باعث اس سے ذرا خائف ہی رہتی تھی۔اور اب کھلی کھلی رنگت کے ساتھ خوب صورت نقوش لئے سر پر سلیقے سے دوپٹہ لئے وہ واقع ہی بڑی ہوگئی تھی کہ اسے پہچاننے میں دشواری ہوئی تھی۔

"کیسی ہو تم؟"اسے یوں ہی یک ٹک حیرانگی سے خود کو دیکھتے کم گھورتے زیادہ پاکر اسے ہی بولنا پڑا تھا۔اسکی آواز اور لب ولہجہ اب بھی پہلے جیسا تھا۔آرام سے ٹھہر ٹھہر کر بولتا، شانت سا انداز۔

"میں ٹھیک ہوں۔آپ ٹھیک ہیں؟"ہوش میں آتے باپ کے سامنے رواداری کا مظاہرہ کرتے اس نے بھی حال دریافت کر ہی لیا تھا جس پر سر کو جنبش دیتے وہ ایک بار پھر محمود آفندی کی جانب متوجہ ہو چکا تھا۔

"میں ماما کو دیکھتی ہوں۔" محمود صاحب کو دیکھ کر کہتی وہ سرپٹ وہاں سے غائب ہوئی تھی۔

کچن میں غائب دماغی سے داخل ہوتے کھانے کی خوشبوؤں نے اسکے حواس کو جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ماما مصروف سی تیز تیز ہاتھ چلاتے ہوئے ہانڈی میں ڈوئی ہلا رہی تھیں۔

"اٹھ گئی تم۔شکر ہے اب جلدی سے یہ چائے دیکھ کر ناشتہ ٹیبل پر لگانے کی کرو۔" انکا موڈ خوش گوار تھا تبھی اسے ڈانٹنے کے بجائے وہ نارمل انداز میں بات کر رہی تھیں ۔خود اب وہ برنر بند کرتے بھنا ہوا قیمہ ڈش آؤٹ کر رہی تھیں۔

"یہ کب آئے؟" کھولتی چائے کو دیکھتے وہ پوچھ رہی تھی۔

"صبح صبح آیا ہے۔ڈور بیل پر تمہارے ابو نے دروازہ کھولا تو باہر کھڑا تھا۔ تمہارے ابو نے تو ڈانٹ بھی دیا کہ بنا اطلاع کیوں آیا۔بتا دیتا تو کم از کم ایئر پورٹ پر سے پک تو کر لیتے بے چارے کو۔ کہاں سامان کے ساتھ خوار ہوتا ٹیکسی میں آیا ہو گا۔" انکے لہجے میں چھپی محبت و فکر نے شانزے کا موڈ خراب کیا تھا۔

"امی ٹیکسی میں بندہ کہاں خوار ہوتا ہے آپ تو یوں کہہ رہی ہیں جیسے پیدل اپنا سارا لیگیج سر پر اٹھا کر آئے ہیں۔" چائے دان میں چائے انڈیلتی وہ منہ پھلا کر اظہار رائے کر رہی تھی۔ صائمہ نے ایک تیز نگاہ بیٹی پر ڈالی۔

"میری بات سنو شانزے خبردار جو تم نے اپنی زبان کے یہ جوہر بچے کے سامنے دکھائے مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔انسانوں کی طرح شرافت کے جامے میں رہنا ۔اتنے سالوں بعد وہ گھر آیا ہے کوئی تلخ بات اسکے سامنے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ابھی وہ دوسری آئے گی تو اس کے ساتھ بھی مغزماری کرنی پڑے گی۔یاد رکھنا وہ اپنے گھر واپس آیا ہے تم لوگوں کے گھر نہیں جو اتنے دنوں سے تم دونوں بہنوں کے ناک منہ چڑھے ہوئے ہیں سب نظر آرہا ہے مجھے۔"ہاتھ روک کر دبی ہوئی آواز میں بیٹی کو کھری کھری سناتے ایک تنبیہی نگاہ ڈال کر وہ ناشتے کا سامان اٹھائے باہر نکل گئی تھیں۔پیچھے صبح ہی صبح ہونے والی اس عزت افزائی پر اسکے موڈ کی رہی سہی بتی بھی گل ہو چکی تھی۔باقی ماندہ عزت بچانے کو اس نے بھی تیز تیز ہاتھ ہلاتے باہر کی راہ لی تھی۔

. . . .

"میسم کو دیکھ آئی ہو نا کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے"رات کو کمرے میں آنے پر محمود آفندی ان سے استفسار کر رہے تھے۔انہوں نے بدلے میں سر ہلاتے بستر پر اپنی جگہ سنبھالی تھی۔

"فکر کیوں کرتے ہیں محمود میرا بھی اپنا ہی بچہ ہے۔"انکی فکر مندی پر وہ مسکرا دی تھیں ۔

zubinovelsonline.com

"بھابھی کی موت کے بعد پہلی بار گھر آیا ہے نا تو ظاہری بات ہے محسوس تو کرے گا ۔بھابھی سب سے زیادہ پیار بھی تو اسی سے کرتی تھیں۔دیکھا نہیں کیسے اس کے باہر جانے کے کچھ ہی عرصے میں بستر مرگ تک پہنچ گئی تھیں۔اور پھر بھائی صاحب اور زید، علی بھی تو یہاں نہیں ہیں۔اکیلا پن محسوس نہ کرے بس اسی لئے کہہ رہا ہوں۔"بستر پر نیم دراز انکی طرف دیکھتے انہوں نے تفصیلی جواب دیا تھا۔میسم انہیں باقی بھتیجوں کی نسبت زیادہ پیارا تھا۔جس کی جھلک انکے قول و فعل میں خوب نظر آتی تھی۔

کہہ تو ٹھیک رہے ہیں محمود صاحب۔بھائی صاحب کو بھی چاہیے اب باہمی رنجشیں ترک کرکے میسم کے لئے کوئی اچھا سا رشتہ ڈھونڈ شادی کر دیں۔آخر کب تک یوں ہی چھڑا چھانٹ گھومتا رہے گا۔خیر سے اس سے چھوٹا علی بیوی بچوں والا ہے۔اس کی بھی ایک بار شادی ہو گئی تو پھر زندگی میں توازن آ جائے گا۔ویسے بھی اب اس بات کو کافی عرصہ ہو گیا ہے۔غلطیاں تو سبھی کرتے ہیں۔میسم سے بھی چلو ہو گئی غلطی آج کل کی جوان نسل نے تو اسے فیشن بنایا ہوا ہے۔مگر اب ساری زندگی تو اس غلطی کی نذر نہیں ہو سکتی نا۔"

ڈھکے چھپے لفظوں میں شوہر سے کہتے انہوں نے گہرا سانس لیا تھا۔ محمود صاحب نے بھی بات سمجھتے ہوئے سر کو پر سوچ انداز میں ہلایا تھا۔

"کہہ رہا ہے ایک دو دن میں کراچی جائے گا بھائی صاحب سے ملنے۔ ایک بار مل آئے تو پھر میں خود بھی بات کروں گا بھائی صاحب سے۔"

کہتے ہوئے وہ سرہانہ سیدھا کرتے سونے کے لئے لیٹ گئے تھے۔ صائمہ بھی اٹھ کر وضو کی نیت سے واش روم کی جانب بڑھ گئی تھیں۔

. . . .

رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب اسکی آنکھ پیاس لگنے کی وجہ سے کھلی تھی۔ مندی مندی آنکھیں کھول کر بیڈ سائیڈ ٹیبل پر پانی کی بوتل تلاشنی چاہی۔ مگر آج کا دن اتنا برا تھا کہ وہ رات سونے سے پہلے پانی رکھنا بھی بھول گئی تھی۔ صبح صبح جس شخص کا چہرہ دیکھا تھا اس کے بعد دن اچھا گزرنے کی کوئی امید اسے یوں بھی نہیں تھی جس پر مہر ثبت پورا دن ماما نے اسکی دوڑیں لگوا کر کی تھی۔ ناشتے کے بعد موصوف کا کمرہ صاف کرنے کی ذمہ داری اسی کے سر ڈالی گئی تھی۔ ماما کی نگرانی میں اس نے کونہ کونہ چمکا ڈالا تھا۔ حالانکہ کچھ دن پہلے ہی وہ یوم صفائی منا کر گئی تھی مگر صائمہ کو اس پر یقین نہیں تھا ۔

اس کے بعد کا بچا کچا پورا دن کچن میں کھپتے گزر گیا تھا۔ اتنی تیاری دیکھ کر اسے ہول اٹھنے لگے تھے۔ ماما ساری کسریں ایک ہی دن میں نکالنے کے درپے تھیں۔ پتہ نہیں کتنی ڈشیں تو وہ بنا چکی تھیں۔ وہ اکیلا کیا کیا ٹھونسے گا یہ سوچ سوچ کر شانزے اپنا خون جلاتی رہی تھی اور وہ سارا دن خواب خرگوش کے مزے لیتا رات کھانے کی ٹیبل پر دوبارہ نظر آیا تھا۔ اسکے ماں باپ اسے وہ وی آئی پی پروٹوکول دے رہے تھے جیسے وہ سکندر اعظم ہو اور دنیا فتح کر کے واپس لوٹا ہو۔ اور یہ سب دیکھ دیکھ کر اسکی اپنی بھوک مر گئی تھی۔

اب پیاس کے ساتھ ساتھ بھوک کا احساس بھی جاگ اٹھا تھا۔ بستر سے اٹھ کر دوپٹہ گلے میں ڈالتے وہ کمرے سے نکل کچن میں آئی تھی۔ پہلے تو ایک گلاس پانی کا وہیں رکھی کرسی پر بیٹھ کر اطمینان سے پیا تھا پھر فریج کھول کر جائزہ لیا تھا۔ کچھ سوچ بچار کے بعد رشین سیلٹ کا انتخاب کیا تھا وجہ تھی اسے وہ ٹھنڈا بھی کھا سکتی تھی ورنہ دوسری کوئی بھی چیز منتخب کرتے اسے پہلے اسے گرم کرنا پڑتا جو اس وقت اسے بالکل منظور نہیں تھا۔ باؤل میں نکال کر وہ سکون سے وہیں بیٹھتی کھانے میں مگن ہو گئی تھی۔ ابھی دو تین چمچ ہی لئے تھے۔ جب قدموں کی آہٹ پر سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ وہ جو اپنے ہی دھیان میں کچن میں داخل ہو رہا تھا اسے سامنے پا کر وہ بھی لمحے کے لئے رک سا گیا تھا

۔شانزے کا چمچ منہ میں ہی رہ گیا تھا۔ تعجب سے اسے گھور کر دیکھا تھا جو ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس پاؤں میں سلیپر اڑسے ہلکے سے منتشر بالوں کے ساتھ سامنے کھڑا تھا۔ اسکا جائزہ لینے کے بعد اس نے گردن گھما کر ایک نظر کچن میں آویزاں وال کلاک پر ڈالی تھی جو رات کے دو بجا رہی تھی۔ بنا کسی اچھے میزبان کے اسکی آمد کا مدعا جانے وہ جھک کر منہ سے چمچ نکالتی دوبارہ کھانے کی جانب متوجہ ہو چکی تھی۔ جیسے اس نے اسے وہاں دیکھا ہی نہ ہو۔ میسم کو نہ چاہتے ہوئے بھی آکورڈ سی فیلنگ آنے لگی تھی۔ دن میں زیادہ سونے سے اسکی رات میں نیند ٹوٹ گئی تھی اور اتنے سال باہر اکیلے رہنے سے ایک عادت بڑی پختہ ہو گئی تھی۔ رات نیند سے آنکھ کھل جانے پر اسے شدت سے کافی کی طلب ہونے لگتی تھی۔ اب بھی کتنی دیر سے کروٹ بدلتے وہ سونے کی کوشش کرتا رہا تھا بلا آخر ہار مان کچن کی راہ لی تھی کہ کافی کا سامان ڈھونڈنا اتنا مشکل بھی نہیں تھا۔ پر اب یہاں شانزے کو دیکھ کر اسے یک دم سے اجنبیت بھرا احساس ہونے لگا تھا۔ لیکن اب یہاں تک آگیا تھا تو بنا کافی کے جانے کو دل آمادہ بھی نہیں تھا۔

"وہ میں کافی بنانے آیا تھا۔" یہ بتاتے ہوئے اسے خود بھی عجیب سا احساس ہوا تھا۔ اس نے کون سا اس سے جھوٹے منہ ہی سہی پوچھا تھا جو وہ بتا رہا تھا۔ شانزے سے سر اٹھا کر

اسے خاموش نظروں سے دیکھا تھا پھر اطمینان سے اپنا آخری چمچ لیتے باؤل اٹھا کر سنک کی جانب بڑھی تھی۔

"اوپر والی کیبنٹ میں سارا سامان رکھا ہے۔دودھ فریج میں سے مل جائے گا۔"اپنا باؤل اور چمچ دھوتے اسٹینڈ پر رکھ کر وہ مڑی تھی۔وہ ابھی تک یوں ہی دروازے کے بیچ و بیچ کھڑا تھا۔

"راستہ تو چھوڑ دیں۔"اس سے ذرا فاصلے پر آکر رکتے اس نے جتایا تھا۔میسم اس عجیب و غریب مخلوق کو دیکھتا خاموشی سے ایک سائیڈ پر ہو گیا تھا جواب سر جھٹک کر اس کے پاس سے گزرتی باہر نکل گئی تھی۔اس کے جانے کے بعد اس نے بے ساختہ جھر جھری سی لی تھی۔پورا دن اسکی خاموش مگر چبھتی نظروں کو محسوس کرنے کے بعد اب کے ہوئے اس ٹکراؤ نے اسے یقین دلا دیا تھا اسکا دماغی کوئی نہ کوئی پرزہ بڑے ہو جانے کے باوجود ڈھیلا تھا۔وہ آگے بڑھ کر برنر کی جانب گیا تھا۔

اپنے کمرے میں آکر بستر پر دراز ہوتے اس نے منہ کے زاویے بگاڑے تھے۔

"بتا تو ایسے رہے تھے جیسے میں جی جان سے انکو کافی بنا کر نوش کرنے کے لئے پیش کروں گی۔ماما نے کہا تھا بس زبان کے جوہر مت دکھانا۔اب کیا آدھی رات کو مہمان نوازیاں کرتی پھروں؟۔ویسے بھی ماما نے کہا تھا وہ اپنے ہی گھر واپس آئے ہیں تو پھر

مہمان کب ہوئے۔ کریں اپنے کام خود۔" بستر پر دراز ہوتے کمبل سینے تک تان کر وہ کروٹ لیتی سونے کے لئے آنکھیں بند کر گئی تھی۔ پیٹ پوجا ہو چکی تھی اب نیند اچھی آنے والی تھی۔

. . . .

اگلے دن وہ کراچی چلا گیا تھا۔ شانزے نے بھی سکھ کا سانس لیا تھا۔ تین دن بڑے آرام سے گزرے تھے اور چوتھے دن وہ واپس آیا تو غیر متوقع طور پر سجاد آفندی اسکے ساتھ آئے تھے۔ شانزے کی تو اپنے بڑے ابو سے بنتی بھی بہت تھی اس لئے اسکی خوشی دیدنی تھی۔ انکی پسند کی ڈشز بناتے، انکے ساتھ گپیں لڑاتے وہ سامنے اگر کبھی بیٹھا بھی ہوتا تو وہ اسے یوں نظر انداز کرتی تھی جیسے دودھ میں سے مکھی نکالی جاتی ہے۔ اتنے سالوں بعد بیٹے کی آمد نے بلا آخر کچھ حد تک سجاد آفندی کی اسکی بابت سرد مہری کو کچھ تو کم کر ہی دیا تھا۔ جو وہ اکثر اسکے پاس بیٹھے پائے جاتے تھے۔ ہلکی پھلکی باتوں کا تبادلا بھی ہونے لگا تھا۔ اور یہ ایک اچھی پیش رفت تھی۔ محمود صاحب کو یک گونہ اطمینان حاصل ہوا تھا۔

سبرینہ بھی اس کے آنے کے بعد دو تین بار آچکی تھی۔ مگر وہ دونوں ہی ایک دوسرے سے نہ تو مخاطب ہوتے تھے نہ ہی کوئی بات چیت ہوئی تھی۔ ماما کے کہنے پر بادل خواستہ سبرینہ نے اس سے علیک سلیک کرلی تھی اور فلحال یہی کافی تھا۔ ویسے بھی وہ زیادہ تر گھر سے باہر پایا جاتا تھا اسکی نئی جاب سٹارٹ ہو چکی تھی جس میں وہ بزی ہو چکا تھا اس کے علاوہ بھی اگر وہ گھر میں ہوتا بھی تھا تو زیادہ تر اوپر اپنے ہی پورشن میں پایا جاتا تھا ۔ زیادہ تر نیچے وہ صرف کھانے کی میز پر نظر آتا تھا یا پھر رات کو کھانے کے بعد کچھ دیر سجاد آفندی اور محمود آفندی کے ساتھ نشست میں دکھائی دے جاتا۔ وہاں بھی زیادہ تر وہ چپ کا روزہ رکھے یا تو ان دونوں کی باتیں سنتا رہتا تھا یا پھر ٹی وی پر کوئی پولیٹیکل ٹاک شو دیکھنے میں مگن ہوتا تھا۔

اس دن صبح صبح ہی وہ اپنے پودوں کو پائپ کی مدد سے پانی دے رہی تھی جب وہ آفس کے لئے تیار ہو کر نکلا تھا۔ اسے دیکھ کر اسکا خون کھول اٹھا تھا۔ جب سے آیا تھا اس کے ہی سر پر مسلط تھا۔ اس کے زیادہ تر کام اسی کو کرنے پڑتے تھے۔ ویسے تو سب کے کپڑے وہ بہ راضی ورضا جس دن بھی مشین لگتی دھلائی کے بعد ایک ساتھ ہی استری کر دیا کرتی تھی مگر اس کے کرتے اسے موت پڑنے لگتی تھی۔ کل ہی صائمہ نے پھر

اسکی ساری وارڈروب اٹھا کر شانزے کے سامنے آر کھی تھی۔اور اگلے دو گھنٹے اسکے کپڑوں کو جم جم کر استری کرتے صرف ہوئے تھے۔

ارد گرد سے بے نیاز وہ نک سک سا تیار، لش پش کرتے کالے جوتوں سمیت سست روی سے چلتا موبائل پر بزی آگے بڑھا تھا۔اسکے سامنے سے گزرنے پر شانزے کے دل میں یک دم نجانے کیا سمائی تھی کہ اس نے پائپ کا آگے سے منہ ہلکا سا دبا یا تھا۔پانی کی تیز دھار زیادہ اچھال اور بہاؤ سے کیاری تک گئی تھی اور نتیجتاً گل ہی ڈالی گئی تازہ تازہ مٹی کے کہیں چھینٹے کیاری سے نکل کر پاس سے گزرتے میسم کی ڈریس پینٹ کو سلامی پیش کر گئے تھے۔اس اچانک پڑی افتاد پر وہ چونک کر رکتا سر جھکائے اپنی پینٹ اور جوتوں کا جائزہ لینے لگا تھا جہاں گیلی مٹی نے کہیں نقش و نگار بنا ڈالے تھے۔

بظاہر اس سے بے نیازی برتتے شانزے یوں ایکٹ کر رہی تھی جیسے یہ سب ہوتے اس نے دیکھا ہی نہ ہو اور میسم کی ساری غلطی ہو جو اپنے دھیان میں آتے پانی کے چھینٹوں پر توجہ نہیں دے پایا تھا۔

سر اٹھا کر ایک نظر اسے دیکھا جو خود میں مگن پائپ پکڑے کھڑی تھی۔اسکے دیکھنے پر نا سمجھی سے اسکی جانب دیکھا جس کے چہرے پر کوفت کے آثار صاف نظر آرہے تھے دل کو تسکین سی ملی تھی۔ مگر دنیاد کھاوا بھی تو لازمی تھا نا اسکے کپڑوں کی حالت دیکھ کر

چہرے پر تشویش بھرے تاثرات لئے پائپ نیچے رکھتے کیاری سے گھوم کر اسکے پاس آئی تھی۔

"یہ کیا کیا میسم بھائی؟ دیکھ کر گزرنا تھا نا کل کتنی محنت سے یہ پینٹ رگڑ رگڑ کر استری کی تھی میں نے۔" پہلوؤں پر ہاتھ جمائے قدرے آگے کو جھک کر دیکھتے اسکا اپنا ہی دکھ تھا جس کا رونا وہ رو رہی تھی۔ میسم نے ایک گہری سپاٹ نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی تھی اگلے ہی پل وہ بنا کچھ کہے اسکے پاس سے گزر کر واپس اندر کی جانب چلا گیا تھا۔ اسکے جاتے ہی اسکی پشت کو گھورتے اس نے ہاتھ جھاڑے تھے۔ پھر پائپ کا پانی بند کرتے گنگناتی ہوئی اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

....

.

ویک اینڈ پر علی کی فیملی کے آنے سے گھر میں رونق سی لگ گئی تھی۔ تین سالہ صفا اور پانچ سالہ صفوان پورے گھر میں دوڑتے بھاگتے زندگی کا احساس دلاتے تھے۔ شیریں تھی تو علی کی یونی فیلو مگر شادی کے بعد وہ بہت اچھے سے سب میں گھل مل گئی تھی کہ کبھی غیریت کا احساس نہ ہوا تھا۔ سجاد آفندی بھی بہو کی تعریف کرتے نہ تھکتے تھے۔

شیریں اور وہ دونوں اسکے کمرے میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں جب شانزے اپنے اور اسکے لئے چائے بنانے باہر نکلی تھی۔ سیڑھیوں کے پاس کا منظر دیکھتے وہ ٹھٹکی تھی۔ وہ میسم تھا جو پنجوں کے بل نیچے بیٹھا تھا اور اسکے سامنے صفا کھڑی تھی جس کے دونوں ننھے ننھے بازو میسم کے ہاتھوں میں نرمی سے قید تھے۔ وہ کچھ کہہ رہی تھی اور مسکراتے لبوں کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے میسم پوری توجہ سے اسکی بات سن رہا تھا۔ کچھ عجیب سا محسوس کرتے اچانک ہی میسم نے نظریں گھما کر دیکھا تھا۔ اپنے کمرے کے باہر وہ کھڑی پر تپش چھبتی نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ ان آنکھوں میں اس کے لئے اتنی ناگواری و تنفر تھا کہ وہ بے ساختہ بیٹھے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے اپنی طرف متوجہ ہونے پر وہ بھی ہوش میں آئی تھی۔ نظریں اس پر سے ہٹا کر ماتھے پر ناپسندیدگی کے بل لئے وہ تیزی سے چلتی اس کے پاس سے گزر گئی تھی۔ میسم نے غیر ارادی طور پر اسکی پشت کو کچن میں گم ہونے تک اپنی نظروں کے حصار میں رکھا تھا۔ اسکی کشادہ پیشانی پر پر سوچ لکیروں کا جال سا بن گیا تھا۔ شانزے کا رویہ اسے الجھا گیا تھا۔ صفا کی پکار پر وہ اسے اٹھائے اسکی بات سنتا اوپر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

. . . .

.

رات وہ سونے کی تیاری میں تھا جب دروازے پر دستک کے ساتھ سجاد آفندی کا چہرہ نمودار ہوا تھا۔ وہ بستر چھوڑتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اسکی ساری زندگی میں چند ایک بار ہی وہ خود چل کر اسکے کمرے تک آئے تھے۔ انکی اس وقت اپنے کمرے میں موجودگی اسکے صحیح تعجب کا باعث تھی وہ بھی اس صورت میں جب وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی گھنٹہ بھر انکے، محمود آفندی اور علی کے پاس بیٹھ کر آیا تھا۔ چل کر اسکے پاس آ کھڑے ہوتے وہ بھی اسکی حیرت بھانپ چکے تھے۔

"تم سے کچھ ضروری بات کرنی تھی۔"

"جی بیٹھیں۔" وہ بیڈ پر ہی بیٹھ گئے تھے ساتھ ہی اسے بھی اشارہ کیا تو کچھ فاصلے پر وہ بھی بیٹھ گیا تھا۔

"آگے کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟۔" گلا کھنگار کر انہوں نے بیڈ پر رکھی کتاب اٹھائی تھی، اسکی ورق گردانی کرتے بنا اسکی طرف دیکھے بات کا آغاز کیا تھا۔

انکی بات کے جواب میں اس نے انکی جانب ناسمجھی سے دیکھا تھا۔

"میرا مطلب ہے تم واپس آ گئے ہو۔ جاب بھی شروع کر دی ہے تو شادی کے بارے میں بھی کچھ سوچا ہے کہ نہیں۔"

بظاہر وہ اسکی جانب دیکھ نہیں رہے تھے مگر انکی حسیات سبھی اسی کی جانب مرکوز تھیں

۔

انکی بات سن کر میسم نے لب سختی سے باہم پیوست کرتے نظریں نیچے فرش پر گاڑھ دی تھیں۔

"دیکھو میسم جو ہو چکا سو ہو چکا۔اب اسی لکیر کو پیٹنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔مجھے امید ہے تم نے اپنے ماضی کے تجربات سے بہت کچھ سیکھا ہو گا۔میں اور محمود اب چاہتے ہیں تم بھی زندگی میں آگے بڑھو۔آخر کب تک یوں ہی رہو گے۔چھوٹا بھائی بھی بال بچوں والا ہو گیا ہے میرے خیال میں اب تمہیں بھی شادی کر کے اپنی زندگی میں سیٹل ہو جانا چاہیے۔"

کتاب واپس بیڈ پر رکھتے وہ کافی نرم آواز میں اس سے کہہ رہے تھے جو ایک عرصہ ہوا اس کے لئے مختص نہیں رہی تھی۔

"میں نے اس بارے میں فلحال کچھ سوچا نہیں۔"بے تاثر سی آواز میں وہ بولا تو سجاد آفندی نے بیٹے کے حد درجہ سنجیدہ چہرے کی جانب دیکھا تھا۔

"تو سوچو اس بارے میں۔اور کب سوچو گے؟۔سر کے بال پوری طرح سفید ہونے کے بعد۔"اس کی کنپٹی کے قریب سے سیاہ بالوں کے بیچ میں سے جھانکتے چند ایک

گرے بالوں پر گرفت کرتے انہوں نے اسے گھر کا تھا۔ میسم خفت زدہ سا پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔

"میں تو کل جا رہا ہوں مگر محمود اور صائمہ کو تمہاری ذمہ داری سونپ کر جا رہا ہوں۔ وہ تمہارے لئے کوئی معقول رشتہ تلاش کریں گے۔ اگلی بار کا چکر میرا ابھی جلدی ہی لگے گا۔ آج شانزے کو دیکھنے بھی کچھ لوگ آئے تھے۔ لڑکا انگلینڈ ہوتا ہے اگلے ماہ وہ واپس آئے گا تو دیکھ بھال کر ہی بات آگے بڑھائیں گے۔ تب تک میں نے محمود کی ڈیوٹی لگائی ہے وہ تمہارے لئے بھی کوئی اچھا سا رشتہ دیکھ لے۔ اس لئے تم بھی خود کو ذہنی طور پر تیار رکھو۔ اور میں امید کرتا ہوں اپنی سابقہ غلطیوں سے تم نے بہت کچھ سیکھا ہو گا۔ اور اس بار تم انہیں نہیں دہراؤ گے۔"

کہتے ہوئے آخر میں انکا لب و لہجہ ہلکی سی تلخی کی نذر ہو گیا تھا۔ اٹھ کر کھڑے ہوتے ہاتھ پیچھے باندھ کر انہوں نے پہلو میں کھڑے ہوئے بیٹے کو ایک نظر دیکھا تھا۔

"میری بات سمجھ تو آ گئی ہو گی؟" میسم نے صرف ایک لمحے کے لئے انکا چہرہ دیکھا تھا پھر نگاہ چراتے سر ہلا دیا تھا۔ سجاد آفندی کے چہرے پر تناؤ کی کیفیت زائل ہوئی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر بیٹے کا کندھا تھپکا تھا۔

"اب میں چلتا ہوں۔" انکے ساتھ وہ دروازے تک انہیں چھوڑنے آیا تھا پھر دروازہ بند کرتے ایک گہرا سانس خارج کرتے تھکے تھکے سے انداز میں بیڈ کی جانب بڑھا تھا ۔سائیڈ لیمپ کی تیز روشنی کم کرتے کتاب اٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی تھی اور خود بیڈ پر دراز ہوا تھا۔

اتنے سالوں بعد ایک بار پھر سے شادی کا موضوع چھڑ چکا تھا جس کے بارے میں اس نے عرصہ ہوا سوچنا تک گوارہ نہیں کیا تھا۔ فریحہ سے شادی ٹوٹنے کے بعد امریکا چلے جانے کے باوجود اسے دو سال لگے تھے اس ذہنی انتشار میں سے باہر نکلنے میں۔ پھر امی کی اچانک موت نے اسے اور بھی زیادہ ذہنی وجذباتی توڑ پھوڑ کا شکار کیا تھا ایسے میں اسکی کولیگ روز کی اس میں حد درجہ بڑھتی دلچسپی اور جذباتی سہارے نے اس سے ایک اور فاش غلطی کروائی تھی۔ روز کا پروپوزل بنا سوچے سمجھے اس نے آناً فاناً قبول کر لیا تھا ۔گھر میں سب کی اس سے لاتعلقی فریحہ سے طلاق کے بعد سے ہنوز قائم تھی۔ اسکی دوسری شادی پر جیسے سب نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ ایک محمود آفندی تھے جنہوں نے خوشی کا اظہار کرتے اس کے لئے نیک خواہشات کا اظہار کیا تھا۔ مگر صرف چھ ماہ کے عرصے میں ھی اس شادی کا انجام بھی طلاق کی صورت سامنے آیا تھا۔ جس کے بعد سات سال ہونے کو آئے تھے اس نے کبھی شادی کرنے کے بارے سوچا تک

نہیں تھا۔ مدھم روشنی میں چھت کو تکتے ہوئے نیند اب ان آنکھوں سے کوسوں دوری پر تھی۔

. . . .

علی کے بچے سجاد آفندی سے خاص لگاؤ رکھتے تھے۔ پہلی بار ایسا ہوا تھا جو وہ انکے بغیر یہاں آئے تھے اور وہ بھی ایک ماہ سے اوپر ہونے کو آیا تھا یہیں پر رکے ہوئے تھے۔ شیریں (علی کی بیوی) بار بار کال کر کے انکی واپسی کا پوچھ رہی تھی کہ بچوں نے اسکے ناک میں دم کرر کھا تھا۔ اس ویک اینڈ وہ سب آرہے تھے پھر ممکن تھا سجاد آفندی بھی انکے ساتھ ہی واپس ہو لیتے۔ اس لئے صائمہ کا اصرار بڑھ گیا تھا کہ محمود صاحب اب سجاد آفندی سے شانزے کے لئے آئے رشتوں کی بابت بات کر کے کوئی صلح مشورہ کرتے بات آگے بڑھائیں۔

اسی سلسلے میں دونوں بھائی سر جوڑ کر بیٹھے تھے۔ جب شانزے سے بات چلتی میسم پر آرکی تھی۔ محمود صاحب نے محتاط سے انداز میں بھائی کی توجہ اس جانب بھی مبذول کروائی تھی۔ جس کے بعد انہوں نے گھمبیر چپ سادھ لی تھی۔

"جانتے تو ہو محمود خاندان بھر میں اسکی فریحہ سے طلاق کی وجہ جنگل میں آگ کی طرح پھیلی تھی۔ کس قدر پورے خاندان میں شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ پھر جو اس نے

وہاں امریکہ میں اپنی کولیگ سے نکاح کیا تھا اسکا بھی قریب قریب کے رشتے داروں کو پتہ ہی ہے۔دو شادیوں میں ناکامی کے بعد آخر خاندان میں کون اسے اپنی بیٹی دے گا ۔اور خاندان سے باہر ڈھونڈنے کے لئے تو کافی وقت درکار ہے۔ لیکن خیر کسی میرج بیورو سے بات کر دیکھتے ہیں شاید کوئی اچھی لڑکی مل جائے تو میری بھی اسکولے کر فکر ختم ہو۔ماں تو آخری وقت تک اسکے گھر بسنے کا خواب آنکھوں میں لئے حسرت سے منوں مٹی تلے جا سوئی تھی۔مجھے بھی پتہ نہیں دیکھنا نصیب ہو گا یا نہیں۔"کچھ دیر بعد جب وہ بولے تو محمود صاحب کو انکی بات سن کر خوشی ہوئی تھی یعنی انہیں بھی اسکی پرواہ تھی بس جتاتے نہیں تھے۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں بھائی صاحب اللہ آپ کو لمبی زندگی دے سبھی بچوں کی خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔"انہوں نے نرمی سے بھائی کو ٹوکا۔

"باقی تو الحمدللہ محمود مجھے میرے بچوں کی طرف سے ہر سکون میسر ہے۔بس میسم اپنی زندگی میں سیٹل ہو جائے۔تمہاری سنتا ہے تم بھی سمجھاؤ اسے۔پینتس سال کا ہو گیا ہے تھوڑا اپنے طور طریقے وہ بھی بدلے تاکہ آگے چل کر پھر سے وہی مسئلے نہ کھڑے ہوں۔"کہتے ہوئے انکا لہجہ ذرا تلخ ہوا تھا۔

"بھائی صاحب بس نصیب کی بات ہے ساری جوڑ جڑا رہنا نہیں لکھا تھا۔ورنہ میسم کی طرف سے کسی معاملے میں بھی کبھی کوئی شکایت ہوئی ہمیں۔اچھا سلجھا ہوا بچہ ہے ۔بچپن سے لے کر جوانی تک کبھی جو کوئی ایسی حرکت کی ہو جو ہمیں ذرا بھی شرمساری کا سامنا کرنا پڑا ہو۔"انکے دل میں بھتیجے کے لئے نرم گوشہ تو شروع سے موجود تھا اب بھی فوری اسکے دفاع میں بول اٹھے۔

"ہاں اور پھر ساری کسریں ایک ہی بار نکالی تھیں۔اس بچی کے سامنے تو شرمندہ کیا ہی کیا پورے خاندان میں ہمارا تماشہ الگ بنایا۔"وہ جیسے اس طرف بھی انکی توجہ دلا رہے تھے۔محمود صاحب بھائی کے یوں تپے انداز پر مسکرا دیے۔

"اچھا آپ اب غصہ نہ کریں۔اس بات کو بھی کتنا عرصہ ہو گیا ہے۔تب کے میسم اور اب کے میسم میں بہت فرق ہے۔وہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے غلطیاں ہو جاتی ہیں۔میسم نے بھی ایک غلطی کی اسکا خمیازہ بھی بھگتا۔اتنے سال گھر سے دور رہ کر بن باس الگ کاٹا ۔اب ہم بڑوں کو بھی چاہیے در گزر سے کام لیں۔"وہ بردباری سے کہہ رہے تھے سجاد آفندی نے ان سے متفق انداز میں سر ہلایا تھا۔

....ویک اینڈ پر علی کی فیملی کے آنے سے گھر میں رونق سی لگ گئی تھی۔ تین سالہ صفا اور پانچ سالہ صفوان پورے گھر میں دوڑتے

بھاگتے زندگی کا احساس دلاتے تھے۔ شیریں تھی تو علی کی یونی فیلو مگر شادی کے بعد وہ بہت اچھے سے سب میں گھل مل گئی تھی کہ کبھی غیریت کا احساس نہ ہوا تھا۔ سجاد آفندی بھی بہو کی تعریف کرتے نہ تھکتے تھے۔

شیریں اور وہ دونوں اسکے کمرے میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں جب شانزے اپنے اور اسکے لئے چائے بنانے باہر نکلی تھی۔ سیڑھیوں کے پاس کا منظر دیکھتے وہ ٹھٹکی تھی۔ وہ میسم تھا جو پنجوں کے بل نیچے بیٹھا تھا اور اسکے سامنے صفا کھڑی تھی جس کے دونوں ننھے ننھے بازو میسم کے ہاتھوں میں نرمی سے قید تھے۔ وہ کچھ کہہ رہی تھی اور مسکراتے لبوں کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے میسم پوری توجہ سے اسکی بات سن رہا تھا۔ کچھ عجیب سا محسوس کرتے اچانک ہی میسم نے نظریں گھما کر دیکھا تھا۔ اپنے کمرے کے باہر وہ کھڑی پر تپش چھبتی نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ ان آنکھوں میں اس کے لئے اتنی ناگواری و تنفر تھا کہ وہ بے ساختہ بیٹھے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے اپنی طرف متوجہ ہونے پر وہ بھی ہوش میں آئی تھی۔ نظریں اس پر سے ہٹا کر ماتھے پر ناپسندیدگی کے بل لئے وہ تیزی سے چلتی اس کے پاس سے گزر گئی تھی۔ میسم نے غیر ارادی طور پر اسکی پشت کو کچن میں گم ہونے تک اپنی نظروں کے حصار میں رکھا تھا۔ اسکی کشادہ

پیشانی پرپر سوچ لکیروں کا جال سابن گیا تھا۔شانزے کا رویہ اسے الجھا گیا تھا۔صفا کی پکار پر وہ اسے اٹھائے اسکی بات سنتا اوپر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

. . . .

رات وہ سونے کی تیاری میں تھا جب دروازے پر دستک کے ساتھ سجاد آفندی کا چہرہ نمودار ہوا تھا۔وہ بستر چھوڑتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔اسکی ساری زندگی میں چند ایک بار ہی وہ خود چل کر اسکے کمرے تک آئے تھے۔انکی اس وقت اپنے کمرے میں موجودگی اسکے صحیح تعجب کا باعث تھی وہ بھی اس صورت میں جب وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی گھنٹہ بھر انکے، محمود آفندی اور علی کے پاس بیٹھ کر آیا تھا۔چل کر اسکے پاس آ کھڑے ہوتے وہ بھی اسکی حیرت بھانپ چکے تھے۔

"تم سے کچھ ضروری بات کرنی تھی۔"

"جی بیٹھیں۔"وہ بیڈ پر ہی بیٹھ گئے تھے ساتھ ہی اسے بھی اشارہ کیا تو کچھ فاصلے پر وہ بھی بیٹھ گیا تھا۔

"آگے کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟۔"گلا کھنگار کر انہوں نے بیڈ پر رکھی کتاب اٹھائی تھی،اسکی ورق گردانی کرتے بنا اسکی طرف دیکھے بات کا آغاز کیا تھا۔

انکی بات کے جواب میں اس نے انکی جانب ناسمجھی سے دیکھا تھا۔

"میرا مطلب ہے تم واپس آگئے ہو۔ جاب بھی شروع کر دی ہے تو شادی کے بارے میں بھی کچھ سوچا ہے کہ نہیں۔"

بظاہر وہ اسکی جانب دیکھ نہیں رہے تھے مگر انکی حسیات سبھی اسی کی جانب مرکوز تھیں ۔

انکی بات سن کر میسم نے لب سختی سے باہم پیوست کرتے نظریں نیچے فرش پر گاڑھ دی تھیں۔

"دیکھو میسم جو ہو چکا سو ہو چکا۔ اب اسی لکیر کو پیٹنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ مجھے امید ہے تم نے اپنے ماضی کے تجربات سے بہت کچھ سیکھا ہو گا۔ میں اور محمود اب چاہتے ہیں تم بھی زندگی میں آگے بڑھو۔ آخر کب تک یوں ہی رہو گے۔ چھوٹا بھائی بھی بال بچوں والا ہو گیا ہے میرے خیال میں اب تمہیں بھی شادی کر کے اپنی زندگی میں سیٹل ہو جانا چاہیے۔"

کتاب واپس بیڈ پر رکھتے وہ کافی نرم آواز میں اس سے کہہ رہے تھے جو ایک عرصہ ہوا اس کے لئے مختص نہیں رہی تھی۔

"میں نے اس بارے میں فلحال کچھ سوچا نہیں۔" بے تاثر سی آواز میں وہ بولا تو سجاد آفندی نے بیٹے کے حد درجہ سنجیدہ چہرے کی جانب دیکھا تھا۔

"تو سوچو اس بارے میں۔اور کب سوچو گے ؟۔ سر کے بال پوری طرح سفید ہونے کے بعد۔" اس کی کنپٹی کے قریب سے سیاہ بالوں کے بیچ میں سے جھانکتے چند ایک گرے بالوں پر گرفت کرتے انہوں نے اسے گھر کا تھا۔ میسم خفت زدہ سا پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔

"میں تو کل جارہا ہوں مگر محمود اور صائمہ کو تمہاری ذمہ داری سونپ کر جارہا ہوں۔ وہ تمہارے لئے کوئی معقول رشتہ تلاش کریں گے۔اگلی بار کا چکر میرا ابھی جلدی ہی لگے گا۔آج شانزے کو دیکھنے بھی کچھ لوگ آئے تھے۔لڑکا انگلینڈ ہوتا ہے اگلے ماہ وہ واپس آئے گا تو دیکھ بھال کر ہی بات آگے بڑھائیں گے۔تب تک میں نے محمود کی ڈیوٹی لگائی ہے وہ تمہارے لئے بھی کوئی اچھا سا رشتہ دیکھ لے۔اس لئے تم بھی خود کو ذہنی طور پر تیار رکھو۔اور میں امید کرتا ہوں اپنی سابقہ غلطیوں سے تم نے بہت کچھ سیکھا ہو گا۔اور اس بار تم انہیں نہیں دہراؤ گے۔"

کہتے ہوئے آخر میں انکا لب ولہجہ ہلکی سی تلخی کی نذر ہو گیا تھا۔اٹھ کر کھڑے ہوتے ہاتھ پیچھے باندھ کر انہوں نے پہلو میں اٹھ کھڑے ہوئے بیٹے کو ایک نظر دیکھا تھا۔

"میری بات سمجھ تو آگئی ہو گی؟" میسم نے صرف ایک لمحے کے لئے انکا چہرہ دیکھا تھا پھر نگاہ چراتے سر ہلا دیا تھا۔ سجاد آفندی کے چہرے پر تناؤ کی کیفیت زائل ہوئی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر بیٹے کا کندھا تھپکا تھا۔

"اب میں چلتا ہوں۔" انکے ساتھ وہ دروازے تک انہیں چھوڑنے آیا تھا پھر دروازہ بند کرتے ایک گہرا سانس خارج کرتے تھکے تھکے سے انداز میں بیڈ کی جانب بڑھا تھا۔ سائیڈ لیمپ کی تیز روشنی کم کرتے کتاب اٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی تھی اور خود بیڈ پر دراز ہوا تھا۔

اتنے سالوں بعد ایک بار پھر سے شادی کا موضوع چھڑ چکا تھا جس کے بارے میں اس نے عرصہ ہوا سوچنا تک گوارہ نہیں کیا تھا۔ فریحہ سے شادی ٹوٹنے کے بعد امریکا چلے جانے کے باوجود اسے دو سال لگے تھے اس ذہنی انتشار میں سے باہر نکلنے میں۔ پھر امی کی اچانک موت نے اسے اور بھی زیادہ ذہنی وجذباتی توڑ پھوڑ کا شکار کیا تھا ایسے میں اسکی کولیگ روز کی اس میں حد درجہ بڑھتی دلچسپی اور جذباتی سہارے نے اس سے ایک اور فاش غلطی کروائی تھی۔ روز کا پرپوزل بنا سوچے سمجھے اس نے آنا فانا قبول کر لیا تھا۔ گھر میں سب کی اس سے لاتعلقی فریحہ سے طلاق کے بعد سے ہنوز قائم تھی۔ اسکی دوسری شادی پر جیسے سب نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ ایک محمود آفندی تھے

جنہوں نے خوشی کا اظہار کرتے اس کے لئے نیک خواہشات کا اظہار کیا تھا۔ مگر صرف چھ ماہ کے عرصے میں ھی اس شادی کا انجام بھی طلاق کی صورت سامنے آیا تھا۔ جس کے بعد سات سال ہونے کو آئے تھے اس نے کبھی شادی کرنے کے بارے سوچا تک نہیں تھا۔ مدھم روشنی میں چھت کو تکتے ہوئے نینداب ان آنکھوں سے کوسوں دوری پر تھی۔

. . . .

.

دن کا وقت تھا۔ وہ ابھی ظہر کی نماز کے بعد سونے کے لئے لیٹی تھی جب صائمہ نے اس کے کمرے میں جھانکا تھا۔

"شانزے بیٹا۔" وہیں دروازے سے ہی دی جانے والی پکار پر اس نے سر اٹھا کر انکی جانب دیکھا تھا۔

"جی ماما۔"

"بیٹا میں نماز پڑھنے لگی ہوں تم زرا جا کر میسم کا روم صاف کر آؤ۔ دو دن ہو گئے ہیں تمہیں کہتے ہوئے مگر مجال ہے جو تم نے عمل کیا ہو۔ ویسے تو پورا گھر بنا کہے صاف کر دیتی ہو ایک اس کمرے میں بھی جھانک لیا کرو بیٹا۔" خلاف معمول اسے جھڑکنے کے

بجائے وہ نرمی سے سمجھا رہی تھیں۔ آگے سے بحث کرنا اسے بھی مناسب نہیں لگا تھا ۔بددلی سے اٹھتے اس نے دوپٹہ لیا تھا۔

"اچھا میں جا رہی ہوں ماما۔ آپ نماز پڑھیں۔"

"ماں صدقے میری پیاری بیٹی۔" وہیں سے صدقے واری ہوتے وہ مڑی تو انکی اس عجلت بھرے محبت کے مظاہرے پر مسکراتے ہوئے جوتوں میں پاؤں گھسیڑ کر وہ انکے پیچھے پیچھے ہی کمرے سے نکل آئی تھی۔ صائمہ اپنے کمرے کی جانب بڑھیں تو وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گئی تھی۔ چہرے پر آئی چند بالوں کی لٹوں کو انگلی کی مدد سے کانوں کے پیچھے اڑستے دروازہ دھکیل کر وہ اندر داخل ہوئی تھی۔ اور اسکا پارہ سیکنڈوں میں ہائی ہوا تھا۔ کمرے کی حالت واقعی ہی ابتر ہو رہی تھی۔ بستر پر سے کمبل تک تہہ کرنے کی زحمت گوارہ نہیں کی گئی تھی۔ تولیہ استعمال کر کے یوں ہی بیڈ پر پھینک دیا گیا تھا۔ اسکے اتارے ہوئے کپڑے صوفے پر لڑھک رہے تھے۔ غصے سے لال پیلی ہوتی ایک جھٹکے سے وہ آگے بڑھی تو کمر پر جھولتی چوٹی بھی بل کھا کر رہ گئی تھی۔ سب سے پہلے تولیہ اٹھایا تھا جو ابھی بھی گیلا معلوم ہوتا تھا۔ باہر ٹیرس کی جانب کھلتے دروازے کو کھول کر تولیہ گرل پر دھوپ میں ڈالا تھا۔ پھر واپس آ کر ڈریسنگ پر بکھرے سامان کو ٹھیک کر کے رکھا تھا جن میں جینٹس پرفیومز، باڈی اسپرے اور لوشن پڑے ہوئے

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews
zubinovelsone.com

تھے سب کے ڈھکن لگاتے وہ ٹھیک ٹھاک جھنجھلاہٹ کا شکار ہو چکی تھی۔ اسے بے ترتیبی سے سخت چڑ تھی اور اس وقت وہ کمرہ اسکی طبیعت پر سخت گراں گزر رہا تھا۔ ایک نظر واش روم کے کھلے دروازے سے اندر جھانکا تو خود کو اندر جانے سے روک نہیں پائی تھی۔ شیمپو کی الٹی پڑی بوتل اور اس کی بکھری پڑی شیونگ کٹ۔ تنے ہوئے چہرے کے ساتھ اس نے سب ترتیب وار رکھا تھا۔ آفٹر شیونگ لوشن کا ڈھکن ہی سرے سے غائب تھا۔ ادھر ادھر نگاہ دوڑاتے اسے وہ نیچے ماربل پر رلتا نظر آ ہی گیا تھا۔ وہاں سے نکل کر کمبل تہہ کر کے رکھتے اب اسکی صدا کی بڑبڑانے کی عادت بھی اپنا آپ دکھانے لگی تھی۔

"اقبال کے شاہین جب فرنگیوں کے دیس جاتے ہیں تو خودی کا ایسا تصور رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے جھوٹے برتن تک خود دھوتے ہیں مگر جوں ہی اپنے ملک کی ہوا لگتی ہے تو سارے پرزے زنگ آلود ہو کر رہ جاتے ہیں کہ ہل کر پانی پینا بھی بھول جاتے ہیں۔" بستر جھاڑ کر شکنیں درست کرتی اسکی بڑبڑاہٹیں اپنے عروج پر تھیں۔ میسم جو آج جلدی آفس سے واپس آ گیا تھا، اسکے قدم دروازہ کی دھلیز پر ہی تھم گئے تھے۔ نظریں اور سماعتیں پوری طرح اسکی جانب متوجہ تھیں جو اسکی طرف پشت کیے اب

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews
Zubiinovelszone.com

جھک کر تکیہ ٹھیک کر رہی تھی۔اس سے پہلے کھنگار کر وہ اسے اپنی آمد سے آگاہ کرتا اسکا ایک اور اپنے بارے میں نادر ارشاد اس کے گوش گزار ہوا تھا۔

"لو جی کمرے میں اتنی بڑی بک ریک لگا رکھی ہے مگر کیا فائدہ جب کتابوں نے رلنا سرہانوں کے نیچے ہی تھا۔ذرا ڈسپلن نہیں صاحب بہادر کو بڑھاپے کی دہلیز پر کھڑے ہیں مگر زندگی میں بے ترتیبی کا عالم یہ جیسے کسی بانکے نوجوان نے نیا نیا کالج میں ایڈمشن لیا ہو۔"ناگواری سے سر کو جھٹکا دیتی کتاب کو گھور فلحال کے لئے سائیڈ ٹیبل پر رکھتے اسکی نظر کرسٹل کے سٹار نما چھوٹے سے اس خوب صورت شو پیس پر پڑی تھی جو اس کمرے میں نیا نیا اضافہ معلوم ہوتا تھا۔اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ہونٹوں کے کناروں پر پر سرار سی مسکان آٹھہری۔

"ویسے پیارا تو بہت ہے مگر کیا کروں اب بڑے دن ہوئے اس کمرے کی در و دیوار کچھ چھناکے کی آواز سننے کو ترس رہے ہوں گے۔"شو پیس ہاتھوں میں لئے اسکا جائزہ لیتے اسکی آواز میں بے چارگی کی انتہا تھی میسم لب نیم واہ کیے حیران کم پریشان زیادہ اسے آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا۔

"اور میرے بھی ہاتھوں میں کھجلی سی ہو رہی ہے۔اچھا ہے ایک آدھ چیز ٹوٹے گی تو ہی ٹوٹے ہاتھ جڑیں گے اگلی بار صفائی کا خود خیال رکھیں گے تو وقت بے وقت ماما میری

دوڑیں کم لگوائیں گی۔"خود کوتاویل پیش کرتے اس نے ایک دم ہی ہاتھوں میں سے شو پیس چھوڑتے اپنے قدم پیچھے لئے تھے۔اگلے ہی پل وہی ہوا تھا جس کے اس کمرے کے درودیوار عادی تھے مگر دروازے میں کھڑا وہاں کا مکین ہونق بنا اس کی یہ حرکت ہضم کرنے کی تگ ودو کر رہا تھا۔

"آہ! چس آگئی قسم سے۔" دونوں بازو پھیلائے ٹھنڈی ٹھار پر سکوں آواز میں کہتی جیسے ہی وہ گھومی تھی نظر اسکی جانب اٹھی تھی اور اگلے ہی پل اسکا سارا سکون اسی دروازے سے رخصت ہو چکا تھا جہاں وہ بت بنا بڑے سکون سے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں اڑسے کھڑا تھا۔فق ہوئی رنگت کے ساتھ اب وہ اسے اپنی جانب بڑھتا ہوا دیکھ رہی تھی جو بالکل نارمل تاثرات چہرے پر سجائے اس کے بالکل سامنے آن کھڑا ہوا تھا کانچ کے کہیں چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اسکے بھاری بوٹوں کے نیچے چرمر ہو کر رہ گئے تھے۔شرمندگی اور پکڑے جانے کے خوف سے وہ پلکیں جھپکنا تک بھول گئی تھی ۔بے یقینی سے اسکا چہرہ پوری طرح کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی جواب ارد گرد نظر دوڑا رہا تھا۔پھر دو قدم پیچھے جا کر بک ریک پر سجے اس آخری شو پیس کو اٹھا کر اس کے سامنے واپس آ کھڑا ہوا تھا۔ہاتھ اسکے سامنے کیے وہ ابرو اچکا کر اسکی توجہ ہاتھ میں پکڑے شو پیس کی جانب دلا رہا تھا۔

"یہ آخری پیس بچا ہے ایسا کرو ایک ہی بار اسے بھی توڑ کر خلاصی کرتی جاؤ۔روز روز تمہیں بلاوجہ زحمت ہوتی ہوگی نہیں؟"اپنے مخصوص ٹھہر ٹھہر کر بولتے لہجے میں وہ پر سکون سا کہہ رہا تھا اور شانزے کا جی چاہا تھا اس وقت زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے ۔بلاشبہ یہ اسکی زندگی کے چند گنے چنے موسٹ امبیریسنگ موومنٹس میں سے ایک تھا ۔آنکھیں میچ کر کھولتے نظریں آپ ہی آپ جھک گئی تھیں۔

"لو توڑو اب۔"کچھ دیر اسے خشمگیں نظروں سے گھورا اسکے پہلو میں گرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیتے وہ اس بار قدرے سخت لہجے میں بولتا زبردستی وہ شو پیس اسے تھما رہا تھا۔جب یک لخت آنکھوں میں اکھٹی ہوتی نمی کے ساتھ اس سے سر کو پوری قوت صرف کرکے دائیں بائیں جنبش دی تھی۔ایسا کرنے سے اسکی آنکھ سے ایک قطرہ نکل کر گال پر بہہ نکلا تھا اور میسم کے ہاتھوں کی حرکت وہیں جامد ہوئی تھی۔الفاظ کھو گئے تھے، سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھتا چلا گیا تھا۔ عجیب دھوپ چھاؤں سا منظر تھا۔ابھی کچھ لمحے قبل تو کس بے خوفی و بے فکری سے ساری دنیا کو جوتے کی نوک پر رکھے وہ خود ہی میں مگن مست و مسرور سی تھی۔اور اب سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ لب کاٹتی روتے ہوئے وہ کوئی اور ہی شانزے لگتی تھی۔کوئی چہرہ اتنا کتابی کیسے ہو سکتا تھا۔حال دل کا آئینہ دار، لمحوں میں کہیں رنگ تبدیل کرنے والا۔اس کی اپنی کلائی پر گرفت

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews
Zubinovelsone.com

ڈھیلی محسوس کرتے اس نے ایک جھٹکے سے خود کو چھڑایا تھا اور دروازے کی جانب دوڑ لگائی تھی۔ میسم عباس کسی خواب کی سی کیفیت سے بیدار ہوا تھا۔

"شانزے! یہ کانچ کون صاف کرے گا؟" اس سے زیادہ اپنی کیفیت پر جھنجلاہٹ کا شکار ہوتے وہ بنا اسکی طرف مڑے غرایا تھا۔ دروازے کے بیچ رکتے اس نے مڑ کر اسکی پشت کو گھورا تھا۔

"خود کر لیں۔ نوکر نہیں لگی آپ کی۔" تڑخ کر کہتی وہ اسے ٹھیک سے حیران ہونے کا موقع دیے بغیر ہی یہ جا وہ جا ہو چکی تھی۔ پیچھے وہ اس کے اتنی جلدی رنگ بدلنے پر اس بار پیچ و تاب کھا کر رہ گیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews
Zubinovels.com

. . . .

وہ ابھی ابھی کچن سے باہر نکل کر لاؤنج میں محمود آفندی کے پاس آکر بیٹھی تھی۔ جنہوں نے ٹی وی سے نگاہ ہٹا کر بڑی چاہ سے بیٹی کے شانوں پر اپنا بازو دراز کیا تھا جب ساتھ ہی کچن میں سے صائمہ کی آواز بھی سنائی دی تھی۔

"شانزے! سلاد بنا لیا کیا؟" بدمزہ ہوتے شکایتی انداز میں محمود صاحب کو دیکھتے اس نے بھی وہیں سے ہانک لگائی تھی۔

"بنالوں گی ماما۔ابھی تو باہر آئی ہوں دو گھڑی سانس تو لینے دیں۔" ابھی اسکی بات مکمل نہیں ہوئی تھی جب وہ خود بھی کچن سے نکل کر اسکے سر پر پہنچ آئی تھیں۔

"اچھا تو کچن میں کون سا میں نے تمہاری گردن پر ہاتھ رکھا ہوا ہے جو وہاں سانس لینا دشوار ہو رہا ہے تمہارا؟" خشمگیں نظروں سے اسے گھورا تھا جواب روہانسی شکل بنائے باپ کو دیکھ رہی تھی۔

"اٹھو ابھی کہ ابھی بناؤ۔پھر تمہیں یاد نہیں رہے گا۔" کچن کی طرف اشارہ کرتے وہ دو ٹوک انداز میں کہہ رہی تھیں۔

"بس کردو بیگم۔میری معصوم بچی پر اتنا ظلم بھی مت ڈھاؤ۔گھر کے کام کرا کرا کر کتنا کمزور کر دیا ہے تم نے اسے۔" اسکا سر اپنے شانے سے لگاتے محمود صاحب اسکی حمایت میں بول اٹھے تھے۔شانزے کو بھی ذرا ڈھارس ہوئی۔

"محمود صاحب بھلا یہ کیا بات ہوئی۔میری بھی بیٹی ہے میں کیوں خدانخواستہ ظلم کرنے لگی اس پر۔اور ہمارے گھر کا کام ہوتا ہی کتنا سارا ہے۔آجا کر چار لوگ تو بستے ہیں یہاں ۔میسم تو صبح کا نکلا شام کو واپس آتا ہے اسکا کام ہوتا ہی کتنا سارا ہے باقی رہے ہم تینوں تو سارا دن میں بھی تو ساتھ ہی لگی رہتی ہوں اسکے وہ نظر نہیں آتا۔مگر بیٹی ذرا جو کچن میں جھانک کر دیکھ لے آپ کو کتنا درد اٹھنے لگتا ہے۔" انکی بات کا برا مناتے دوپٹہ شانوں پر

صحیح کرتے وہ سامنے والے صوفے پر بیٹھ چکی تھیں۔انکے گلے پر محمود آفندی کے ساتھ ساتھ شانزے کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔

"ارے بیگم! خود ہی تو کہتی ہیں آپ بیٹیاں پرایا دھن ہوتی ہیں تو میں تو بس یہ کہہ رہا ہوں جب تک میری بیٹی یہاں ہے اسے آرام سے رہنے دیں۔بعد میں ساری زندگی یہی سب تو کرنا ہے۔"آج کل وہ بات بات پر دلگرفتہ ہورہے تھے شانزے نے مصنوئی انداز میں انہیں گھورا تھا۔

"کیاابو آپ بھی ملکہ جذبات بن جاتے ہیں۔کہیں نہیں جارہی میں آپ کو چھوڑ کر۔"ہنس کرانکے گرد بازو پھیلائے تھے۔

"کیابولے جارہی ہو بی بی۔شب شب بولا کرو۔کہیں نہیں جارہی کی کچھ لگتی۔سبرینہ بھی تو اپنے گھر گئی ہے نااللہ خیر سے تمہارے لئے بھی ہمیں وہ دن دکھائے۔"صائمہ نے ٹوکا تھا۔شانزے نے منہ بنا کرانہیں دیکھا۔

"بس آپ کے بس میں ہوناماماتوآج ہی میرا بوریا بستر اگول کر کے مجھے چلتا کریں آپ۔"تنک کر کہا گیا تھا مگر دوسری طرف اثر کسے تھا۔

"بالکل ایسا ہی ہے۔اب اٹھ کر شرافت سے سلاد بنالو۔مغرب میں بس کچھ ہی وقت باقی ہے۔میسم بھی آتا ہوگا۔"اٹھ کر وہ کچن میں چلی گئی تھیں۔

"دیکھا ابو آپ نے۔ماما مجھ سے کتنی تنگ آئی ہوئی ہیں۔" ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے وہ انہیں بھی ہنسنے پر مجبور کر گئی تھی۔

"ہر ماں کا ارمان ہوتا ہے بیٹی خوشی خوشی وقت کے ساتھ اپنے گھر کی ہو جائے۔" انکے جاتے ہی انکی حمایت صائمہ کی طرف ہو گئی تھی۔شانزے کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

"آپ بھی اب ماما کے ہم نوا ہو گئے ہیں۔"

"کیا کریں بھئی۔رسم دنیا ہے۔ہم بھی تو تمہاری ماما کو انکے اماں ابا سے چرا کر لے آئے تھے۔" شانزے نے اپنا سر انکے کندھے پر سے ہٹایا تھا۔

"رسم دنیا بدلی بھی تو جا سکتی ہے ابو۔" آنکھوں میں چمک لئے وہ رازداری سے بولی تو محمود آفندی نے دلچسپی سے اسکی طرف دیکھا تھا۔

"وہ کیسے؟"

"ہم ایسا کرتے ہیں لڑکا رخصت کرا کر اس گھر میں لے آتے ہیں۔سوچیں کتنا مزہ آئے گا مجھے کہیں جانا بھی نہیں پڑے گا اور ماما کی بیٹی اپنے گھر بار والی بھی ہو جائے گی۔" اسکی آنکھوں کی شرارت بتا رہی تھی وہ مذاق کر رہی ہے تبھی صائمہ کی آواز ایک بار پھر سنائی دی تھی۔

"میں سلاد بنا ہی آؤں ورنہ ماما کو چین نہیں آئے گا۔" وہ خود تو کچن کی جانب بڑھ گئی تھی۔ پیچھے محمود آفندی کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیاں بڑی واضح تھیں۔ ایک ہی جملا کانوں میں بار بار گونج رہا تھا۔

"سوچیں کتنا مزہ آئے گا مجھے کہیں جانا بھی نہیں پڑے گا اور ماما کی بیٹی اپنے گھر بار والی بھی ہو جائے گی۔"

. . . .

.

چائے کا کپ لئے وہ اسکے کمرے کے باہر کھڑی دروازہ ناک کر رہی تھی۔ آج اس کا آف تھا اس لئے وہ سہ پہر ہی گھر میں پایا جا رہا تھا۔ شانزے نے صائمہ اور محمود صاحب کے لئے چائے بنائی تھی جب ماما نے ایک کپ چائے اسے بھی دے آنے کا حکم جاری کیا تھا۔ اس دن کے بعد سے اس نے اس کے کمرے کی صفائی کے لئے اسکے آفس جانے کے فوری بعد کا وقت معین کر لیا تھا۔ جب کرنی اسے ہی تھی تو روز روز ماما سے کہلوانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اور حیرت انگیز طور پر آج کل کوئی چیز اسکا دوپٹہ یا ہاتھ لگنے سے ٹوٹ بھی نہیں رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews
Zubiinovelsone.com

دروازہ کھلا تھا ستے ہوئے چہرے اور سوئی سوئی آنکھوں کے ساتھ وہ سامنے کھڑا تھا ۔شاید وہ سویا ہوا تھا اسکے دروازہ ناک کرنے پر ہی آنکھ کھلی تھی۔

"چائے لے لیں۔" چائے کا مگ آگے کرتے اس سے نظریں ہٹا کر لٹھ مار سے انداز میں وہ بولی تھی۔ میسم نے دروازہ پورا کھول دیا تھا۔

وہاں رکھ دو۔میں منہ دھو کر آتا ہوں۔" میز کی طرف اشارہ کرتے بھاری ہوتی آواز میں کہہ کر وہ واش روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔اس نئے آرڈر پر شانزے پیچ و تاب کھا کر رہ گئی تھی پٹخنے کے سے انداز میں چائے کا مگ ٹیبل پر رکھا تھا جب واش روم کا دروازہ کھولتے وہ مڑا تھا۔

"جانا مت مجھے تم سے کام ہے۔آتا ہوں ابھی۔" خود وہ واش روم میں گم ہو چکا تھا جب کہ شانزے کے ماتھے پر تیوری چڑھ آئی تھی۔

بے زار سی صورت لئے وہ وہیں کھڑی اسکی واپسی کا انتظار کرنے لگی تھی۔ گیلے چہرے کے ساتھ وہ باہر نکلا تھا۔وارڈروب کھول کر ایک شرٹ نکال،اسکی طرف آیا تھا۔پاس آکر رکتے شرٹ اسکی جانب بڑھائی تھی۔

"یہ پریس کر دینا پلیز۔مجھے کل پہن کر جانی ہے۔" سرسری سے انداز میں کہتا وہ اس کے شرٹ تھامنے کا منتظر تھا جو کینہ پرور نظروں سے اسے تو کبھی شرٹ کو گھور رہی

تھی۔جی چاہا صاف منع کر دے پر پھر اگر اس نے ماما سے شکایت لگا دی تو متوقع حوصلہ افزائی سے بچنے کے لئے اس نے جھپٹنے کے سے انداز میں شرٹ اس سے لی تھی۔خود وہ صوفے پر بیٹھتا چائے کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔شانزے نے قدم باہر کی جانب بڑھا دیے تھے۔

"میری بات سنیں! وہاں امریکہ میں آپ کو کپڑے کون پریس کر کے دیتا تھا ۔"دروازے پر رک کر بڑے چٹختے لہجے میں پوچھا گیا تھا۔چائے کا سپ لیتے میسم نے اسے دیکھا تھا۔

"میں خود کرتا تھا۔"بڑے آرام سے جواب دیا گیا تھا۔

"تو اب کیا ہاتھ ٹوٹ گئے ہیں آپ کے۔"مسکرا کر طنزیہ انداز میں کہتے وہ انگاروں پر لوٹ رہی تھی۔

"ہاتھ تو نہیں ٹوٹے مگر چاچی نے اس دن مجھے شرٹ پریس کرتے دیکھ کر کہا تھا ۔شانزے کے ہاتھ ٹوٹ گئے ہیں کیا جو تم خود پریس کر رہے ہو۔آئندہ خود مت کرنا بلکہ اسے کہنا وہ کر دیا کرے گی۔"اسے بتاتے ہوئے اس کے لہجے میں کوئی طنز نہیں تھا بلکہ اک سادگی سی تھی مگر شانزے کو پھر بھی اسکا انداز اپنا مذاق اڑاتا محسوس ہوا تھا ۔ماما بھی نا اسے اسکی پرسنل اسسٹنٹ بنا کر ہی دم لیں گی اسے رونا آیا تھا۔پیر پٹخ کر وہ

وہاں سے باہر نکل گئی تھی۔ پیچھے چائے کا سپ لیتے میسم کو خود نہیں پتہ تھا اسکے ہونٹوں کے کناروں میں کس قدر دلفریب تبسم کھیل رہا ہے۔

. . . .

محمود صاحب کی بات سن کر صائمہ کتنی دیر تک کچھ کہنے کے قابل تک نہ رہی تھیں ۔زبان جیسے گنگ رہ گئی تھی۔ محمود آفندی بھی جیسے انکے متوقع رد عمل کے بارے میں جانتے تھے۔انکے کچھ کہنے پہلے ہی بول اٹھے تھے۔

"دیکھو صائمہ یہ صرف میری ایک خواہش ہے جس کا اظہار میں تم سے کر رہا ہوں ۔باقی ہم یہ فیصلہ باہمی رضامندی سے سارے پہلو دیکھ بھال کر ہی کریں گے۔ میری طرف سے کوئی دباؤ نہیں ہے تم کھل کر اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار کر سکتی ہو ۔"بیوی کی گومگوں ہوئی حالت دیکھتے انہوں نے صائمہ کو اعتماد میں لینا چاہا تھا۔

"میں کیا کہوں محمود صاحب۔ میری تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ شانزے اور میسم ۔۔۔۔کیسے ؟"اپنی بات کہنے کو انہیں ڈھنگ کے الفاظ ڈھونڈنے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔

"میں سمجھ رہا ہوں تم جو کہنا چاہتی ہو پچھلے تین دن میں میں نے اس بارے میں بہت غور و فکر کی ہے۔ میسم کی شادی کی ناکامی کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو وہ ہر لحاظ سے

ایک اچھااور سلجھا ہواانسان ہے۔ پھر گھر کا دیکھا بھالا بچہ ہے۔اور سب سے بڑی بات ہماری شانزے بیاہ کر بھی ہماری آنکھوں کے سامنے رہے گی۔ میں نے تو سبرینہ کے لئے بھی یہی سوچا تھا مگر ساری بات نصیب کی ہوتی ہے۔"

"صرف شادی کا ہی مسئلہ نہیں ہے بلکہ آپ بھول رہے دو شادیوں میں ناکامی کا معاملہ ہے۔ایسے میں سو خدشات دل میں جنم لیتے ہیں پھر فریحہ نے آپ کے سامنے ہی کیسی کیسی باتیں کہیں تھیں میسم کے بارے میں انکو جاننے کے بعد کوئی بھی ماں کس دل سے اپنی بیٹی ایسے شخص کے ساتھ بیاھنے کو تیار ہو گی۔"اپنے سبھی خدشات کو زبان دیتے اس وقت وہ صرف ایک بیٹی کی ماں لگ رہی تھیں۔

"اول تو یہ کہ مجھے کبھی بھی فریحہ کی ان سب باتوں پر یقین نہیں رہا۔ میسم نے اپنے لئے اسٹینڈ کیوں نہیں لیا میں نہیں جانتا مگر یہ سچ ہے صائمہ میرا دل ان سب مغلطات کو ماننے سے ہمیشہ انکاری رہا ہے۔ لیکن فرض کرو اگر ہم مان بھی لیں تو اب تو اس بات کو بیتے بھی عرصہ ہو گیا ہے میرے خیال میں گڑھے مردے اکھاڑنے نہیں چاہیے۔اس طرح انسان مزید الجھتا ہی ہے۔"وہ حد درجہ سنجیدہ نظر آتے تھے۔ صائمہ بس انہیں دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

"چلیں مان لیتی ہوں آپ کی یہ بات۔ مگر پھر بھی اس ایک نقطے کو نظرانداز کر بھی دیا جائے تو بھی میسم اور شانزے کی عمروں، مزاج اور عادات کا فرق کس کس بات کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے محمود صاحب۔" انہوں نے ہار اب بھی نہیں مانی تھی آخر سوال بیٹی کی زندگی بھر کا تھا۔

"عمروں کے فرق کو تو چھوڑ ہی دیں آپ بیگم۔ آپ خود مجھ سے دس سال چھوٹی ہیں عمر کا یہ فرق کس قدر ہمارے رشتے پر اثرانداز ہوا ہے آپ بہتر بتا سکتی ہیں۔ اور رہی بات مزاج و عادات کی تو وہ تو ایک ماں کے بطن سے جنم لینے والوں کے آپس میں نہیں ملتے میاں بیوی کے کہاں سے ملیں گے۔ بات ساری ایک دوسرے کو سمجھنے اور ایک دوسرے کو خوبیوں خامیوں سمیت قبول کرنے کی ہوتی ہے پھر یہ ساری باتیں بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اور ویسے بھی آج کل کے بچے تو انڈراسٹینڈ نگ اور پسند ناپسند کا بڑا خیال رکھ کر شادیاں کرتے ہیں تو کیا وجہ ہے طلاق کا رجحان بڑھتا جارہا ہے۔ مسئلہ پسند ناپسند یا عادات و مزاج ملنے کا نہیں ہے اصل مسئلہ تو عدم برداشت کا ہے۔"

صائمہ بس ہولتے دل کے ساتھ انہیں سنتی رہی تھیں جو لگتا ہے تین دن یہی سب جوڑ توڑ کرنے اور ہر متوقع سوال کا خاطر خواہ جواب تلاش کرنے میں لگے رہے تھے۔ تبھی تو انکے پاس سبھی سوالوں کے جواب تھے۔

"اچھا مجھے ایک بات بتاؤ؟ تمہیں میسم پسند نہیں ہے کیا؟"

"پسند کیوں نہیں ہو گا محمود صاحب۔" ایک گہری سانس خارج کرتے انہوں نے جیسے ہار مانی تھی۔

"تو پھر مسئلہ کیا ہے؟" وہ اب کچھ مطمئین ہوتے مسکرا دیے تھے۔

"پتہ نہیں بس دل نہیں مان رہا۔ میں استخارہ کروں گی۔ اور اس کے بعد جو بھی ہو گا آپ کو ماننا ہو گا۔" بے چینی سے کہتے انہوں نے شوہر کی یقین دہانی چاہی۔

"لو بیگم یہ تو بہترین حل تلاشا ہے آپ نے اس سے بہتر بھلا کچھ ہو سکتا ہے۔ بالکل مانیں گے کیوں نہیں مانیں گے۔ بس اللّٰہ کی طرف سے منظوری ہونی چاہیے۔" ہلکے پھلکے انداز میں کہتے وہ ہنس دیے تھے۔

سر ہلا کر صائمہ انکے پاس سے اٹھ گئی تھیں جب کچھ خیال آنے پر رک کر انہیں دیکھنے لگیں۔

"ویسے اچانک بیٹھے بٹھائے آپ کو یہ خیال آیا بھی کیسے؟" انکی حیرت بجا تھی کل تک تو انہوں نے کبھی اشاروں کنایوں میں بھی اس طرح کی بات کا عندیہ نہیں دیا تھا۔ انکی بات پر ہاتھ میں پکڑی کتاب کے ساتھ عینک ناک پر رکھتے وہ پر سرار انداز میں مسکرائے تھے۔

یہ خیال شانزے نے ہی میرے دل میں ڈالا ہے۔" انکے پر سکون لہجے میں کہنے پر حیرت کی زیادتی سے صائمہ کی آنکھوں کی پتلیاں تک ساکت ہو گئی تھیں۔ انہیں حیران و پریشان کھڑا چھوڑ وہ بے فکری سے مسکراتے ہوئے کتاب کھولنے لگے تھے۔

. . . .

اگلے دن استخارے سے ملنے والے مثبت جواب کے بعد صائمہ بھی چپ ہو گئی تھیں۔ محمود صاحب نے سجاد آفندی کو کال ملائی تھی اور ساری بات سننے کے بعد انہیں بھائی کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا۔ اگلے ہی دن کی فلائٹ پکڑ کر وہ آفندی ہاؤس میں موجود تھے۔ انکی آمد کے مقصد سے بے خبر شانزے خوش تھی تایا ابو کا اس بار چکر جلد ہی لگ گیا تھا۔ صائمہ کل سے اسے غیر معمولی طور پر خاموش لگی تھیں اس کے استفار پر انہوں نے کچھ نہیں کہہ کر اسے ٹال دیا تھا۔

محمود آفندی کے کمرے میں سجاد آفندی چھوٹے بھائی کے سامنے بیٹھے تھے۔ انداز ایسا تھا جیسے کچھ بھی سمجھنے سے قاصر ہوں۔

"میں پھر کہوں گا محمود ایک بار پھر سوچ لو۔" انہوں نے فقط اتنا ہی کہا تھا محمود آفندی کھلے دل سے مسکرائے تھے۔

"آپ کو کیا لگتا ہے بھائی صاحب بیٹی کی زندگی بھر کا فیصلہ یوں ہی سوچے سمجھے بنا کر رہا ہوں گا۔انشاءاللہ سب بھلی ہو گی آپ اپنی رائے بتائیں۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں یار۔کچھ بولنے لائق چھوڑ ہی کہاں رہے ہو تم مجھے۔سب کچھ جانتے ہوئے بھی اپنی پھول سی بچی تم میرے بیٹے کو دینے کی بات کر رہے ہو۔مجھے سمجھ نہیں آرہا میسم کی خوش قسمتی پر ناز کروں یا شانزے کے لئے دعا کروں۔"بنا لگی لپٹی رکھے انہوں نے دل کی بات کہہ ڈالی تھی۔

سب کی دعائیں ساتھ ہوں گی تو آگے کے مراحل بھی آسان ہو جائیں گے اور دیکھئے گا بھائی صاحب ایک دن آئے گا جب سب میرے اس فیصلے کے معترف ہوں گے ۔"انکے پر یقین انداز میں کہنے پر سجاد آفندی نے بھائی کے اس یقین کے قائم و دائم رہنے کی صدق دل سے دعا کی تھی۔

میسم کو جب سجاد آفندی کی بابت ان سب معاملات کا پتہ لگا تھا تو اس کے سر پر بھی آسمان جیسے آن گرا تھا۔حیرت تھی کہ جس کا کوئی انت نہیں تھا۔وہ یوں سجاد آفندی کا منہ تک رہا تھا جیسے انہوں نے اسے کسی انہونی کا ذکر کر دیا ہو۔

"محمود بہت بڑے دل کا مظاہرہ کر رہا ہے۔اب تم بھی اسکی لاج رکھنا۔"

ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ اس سے کہہ رہے تھے جس کا ذہن و دل بے یقینی کے سمندر میں بری طرح ہچکولے کھا رہے تھے۔

. . . .

"ماما مجھے نہیں کرنی ان سے شادی۔" زار و قطار روتے وہ بار بار ایک ہی جملہ دوہرا رہی تھی۔ صائمہ جو پاس بیٹھیں کتنی دیر سے اسے خود سے لگائے دل جوئی کر رہی تھیں اسکے دسویں بار کہنے پر بگڑ گئیں۔

"یہ تب سوچنا تھا نا جب باپ کو ایسے نایاب مشورے دے رہی تھی۔" انکے جل کر کہنے پر اس نے پانی سے لبالب آنکھیں حیرت سے اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔

"کیوں تم نے نہیں یہ عظیم مشورہ دیا تھا کہ تمہیں شادی کرا کے رخصت کرنے کے بجائے لڑکا بیاہ کر یہاں لے آتے ہیں۔ تو بھگتو اب کہیں نہیں جاؤ گی تم۔ لڑکا اسی گھر کا ہی نکل آیا ہے۔" انکی بات نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ شانزے کے ذہن میں اپنے اس دن کے مذاق میں کہے الفاظ گھوم کر رہ گئے جواب اسکے گلے کا پھندا بن گئے تھے ۔پھندا بھی وہ جسے وہ اپنے گلے سے نکال سکنے میں بری طرح ناکام ہو رہی تھی۔

"ہائے ماما میں تو مذاق کر رہی تھی۔ مجھے کیا پتہ تھا ابو یہ سب سوچ لیں گے۔ آپ بچا لیں نا مجھے۔" انکا ہاتھ لجالت سے پکڑ کر کہتے اسکے آخری الفاظ کمرے میں داخل ہوتے محمود آفندی نے بھی سنے تھے۔

"کس سے بچانا ہے میری بیٹی کو۔ ہم سے کہے بھئی ہم ہیں نا" ہاتھ پشت پر باندھے وہ کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر صائمہ بیٹی کے آگے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"لو آ گئے تمہارے ابو۔ اب جو کہنا سننا ہے ان سے خود کہو۔ میں ذرا چائے بنالوں بھائی صاحب بھی کہتے ہوں گے آج شام کی چائے کہاں رہ گئی۔" اپنادامن بچاتے وہ شوہر کو کن اکھیوں سے اسکی طرف اشارہ کرتے خود کمرے سے نکل گئیں تو محمود انکی چھوڑی جگہ پر براجمان ہوتے سامنے بستر پر آلتی پالتی مارے بیٹی کا رونے کے باعث سرخ ہوا چہرہ دیکھ کر رہ گئے۔

"ابو مجھے شادی نہیں کرنی۔" انکے سامنے نئے سرے سے روتے وہ سر نفی میں ہلا رہی تھی۔ محمود آفندی نے بیٹی کے بہتے آنسو اپنے ہاتھ کے پوروں پر چن لئے تھے۔

"ارے تو اس میں رونے والی کون سی بات ہے۔ ہم کون سا اپنی چڑیا کو دور بھیج رہے ہیں۔ یہی تو رہو گی ہمارے سامنے اور وہ بھی ہمیشہ۔" انکے بہلانے کے سے انداز پر اسکا سر اور بھی شدت سے نفی میں حرکت کرنے لگا تھا۔

"مجھے یہاں رہنا ہی نہیں ہے۔ مجھے ان سے شادی نہیں کرنی نا ابو پلیز۔" وہ صاف مکر گئی تھی۔ محمود صاحب سنجیدہ ہوئے تھے۔

"یاد ہے شانزے آج سے ایک ڈیڑھ سال پہلے میں نے تم سے پوچھا تھا شادی کے بارے میں تب تم نے کہا تھا ابو جہاں آپ کہیں گے میں وہیں شادی کروں گی۔" وہ اسے یاد دلا رہے تھے شانزے کے اپنے الفاظ آج بری طرح اسکے گلے میں اٹک رہے تھے۔

"وہ تو میں اب بھی کہہ رہی ہوں ابو۔ جہاں آپ کہیں گے وہیں کر لوں گی مگر یہاں نہیں کروں گی۔"

دونوں ہاتھوں سے چہرہ صاف کرتے وہ تیزی سے بول رہی تھی۔

"تو پھر یہاں کیوں نہیں بیٹا۔ یہاں بھی تو میں ہی کہہ رہا ہوں۔" وہ اسے متانت سے دیکھ رہے تھے اور شانزے کو اپنا آپ کسی گہری کھائی میں گرتا محسوس ہو رہا تھا۔

"پتہ ہے شانزے جب سبرینہ کے لئے بھائی صاحب نے میسم کی بات کی تھی تو میں بہت خوش ہوا تھا۔ میسم مجھے ہمیشہ سے بہت عزیز رہا ہے۔ میں خوش تھا کہ میری بیٹی بیاہ کر بھی میری ہی آنکھوں کے سامنے رہے گی۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ہاں مجھے دکھ ہوا تھا مگر وہ میری بیٹی تھی۔اسکی خوشی میرے لئے اپنی خوشی سے زیادہ اہم تھی۔ جو کہ میسم کے ساتھ نہیں تھی۔مجھے اس انکار نے بہت تکلیف دی تھی مگر بیٹی کی خوشی کے آگے وہ تکلیف کچھ بھی نہیں تھی۔ماں باپ اولاد کی خوشی کے لئے اپنا دل مار لیتے ہیں بیٹا۔اب اگر تم انکار کروگی تو بھی مجھے دکھ ضرور ہوگا مگر آخری فیصلہ صرف اور صرف تمہارا ہی ہوگا۔میں تمہاری خوشی کو مقدم رکھوں گا بیٹے۔اس لئے رونا بند کرو اور آج رات سکون سے سوچو۔مجھے یقین ہے میری بیٹی بہتر فیصلہ کرے گی۔"اسکا سر پیار سے تھپکتے ہوئے وہ بال اسکے کورٹ میں ڈال کر خود اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

انکے جانے کے بعد بھی وہ یوں ہی بیٹھی رہی تھی۔رونے کی شدت میں کمی آگئی تھی۔ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ کچھ بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اس وقت وہ کھو چکی تھی۔تکیے پر سر رکھتے وہ لیٹ گئی تھی۔ محمود آفندی کی باتیں سوچ اسے نئے سرے سے رونا آرہا تھا۔

. . . .

میسم صبح جاگنگ سے واپس آیا تو محمود آفندی اسے لان میں ہی نظر آ گئے تھے۔ اندر جانے کے بجائے وہ انکے پاس ہی چلا آیا تھا۔ وہ اسے اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر خوش دلی سے مسکرائے تھے۔ بلیک ٹریک سوٹ میں ملبوس چہرے پر کھلی سرخی کے ساتھ وہ انہیں سلام کرتا ساتھ والی کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ پسینے سے گیلے ہو رہے بالوں کو ہاتھوں کی انگلیوں کی مدد سے پیچھے کی جانب کر رکھا تھا چہرے پر بڑے سنجیدہ سے تاثرات سجے ہوئے تھے۔

"کچھ کہنا چاہتے ہو؟" اسے تذبذب کا شکار دیکھ انہیں کہنا پڑا تھا۔

میسم نے لب کاٹتے ہاتھوں کو باہم پیوست کیا تھا پھر ذرا آگے کو جھک کر بیٹھا تھا۔

"ابورات کو کچھ بات کر رہے تھے۔" اپنے منہ سے کہنا اسے آکورڈ لگ رہا تھا مگر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ محمود صاحب نے سر اثبات میں ہلا کر جیسے اسے بات جاری رکھنے کو کہا تھا۔

"چاچو! آپ کو لگتا ہے یہ صحیح ہو گا شانزے کے ساتھ؟" کچھ ہچکچا کر اس نے بول ہی دیا تھا۔ کل رات سے وہ اسی بارے میں سوچ رہا تھا وہ خود کیا چاہتا تھا کیا نہیں اس جانب خیال ایک بار بھی نہیں گیا تھا۔

"تم اپنی بات کرو میسم تمہارے خیال میں کیا تمہارے ساتھ صحیح ہو رہا ہے؟" انکے یوں براہ راست پوچھنے پر وہ گڑبڑایا تھا۔ ہاتھ بے اختیار ماتھے کو چھو گیا تھا۔

"میں نے عرصہ ہوا چاچو اس بارے میں کبھی نہیں سوچا۔ پچھلی بار ابو کہہ کر گئے تھے مجھے اس بارے میں سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت ہے۔ میں مینٹلی خود کو تیار بھی کر رہا تھا مگر شانزے۔۔۔" کہتے ہوئے بے بسی سے اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی ۔ محمود آفندی نے بغور اسے دیکھا تھا کچھ دیر کی خاموشی رہی تھی پھر انکی آواز سنائی دی

۔

"تم کھل کر بات کرو میسم کیا شانزے تمہارے لائق نہیں ہے یا تم اسے اپنے جیون ساتھی کے روپ میں قبول نہیں کر پاؤ گے۔ اگر ایسی کوئی بات ہے بیٹا تو تم کہہ سکتے ہو ؟"

"میں نے ایسا کب کہا۔" انکے سوال کے جواب میں سرعت سے اسکے منہ سے پھسلا تھا ۔ اپنی بے اختیاری پر وہ خود ہی خفت زدہ سا نظریں چرا گیا تھا۔ محمود آفندی نے بڑے سنبھاؤ سے اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی۔

"تم مجھے بہت پیارے ہو میسم بالکل اپنے بچے کی طرح۔ بھتیجا ہونے کے باوجود میں نے ہمیشہ تمہیں اپنے بیٹے کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ تمہارا بھلا چاہا ہے تو بے فکر رہو شانزے تو

zubiinovelsone.com
NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پھر میری اپنی بیٹی ہے اسکے لئے کوئی فیصلہ میں جلد بازی یا جذبات میں آکر نہیں لوں گا ۔اللہ سب بہتر کرے گا۔" کہہ کر انہوں نے بات ہی ختم کر دی تھی۔وہ بمشکل مسکرا کر سر کو جنبش دے پایا تھا۔

اب آجاؤ ناشتہ تیار ہو گا پھر تمہاری چاچی آوازیں لگانا شروع کر دیں گی۔"اپنی کرسی چھوڑتے اسکے پاس رک کر اسکا کندھا تھپتھپاتے وہ اندر کی جانب بڑھ گئے تو وہ بھی انکی معیت میں اٹھ کر پیچھے چل دیا تھا۔

. . . .

وہ آفس کے لئے نکل رہا تھا جب مین گیٹ سے سبرینہ اندر داخل ہوئی تھی۔گاڑی ان لاک کرتے اس نے ایک نظر بس اسے دیکھا تھا پھر کار نکالنے کے لئے گیٹ کھولنے آگے بڑھا تھا جب سبرینہ اسکے پاس سے گزرتے ہوئے رکی تھی۔

"بات سنو!"وہ اس سے چار سال بڑا تھا مگر آپ جناب جیسے تکلفات میں وہ کبھی نہیں پڑی تھی۔بحالت مجبوری وہ رک کر اسکی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"ابو کو کیا پٹیاں پڑھائی ہیں تم نے؟"تنے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ نخوت سے بولی تھی۔

"ایکسکیوز می؟"میسم کی نظروں میں واضح ناگواری در آئی تھی۔

"سب جانتی ہوں میں۔زیادہ معصوم مت بنو۔ابو کے سامنے جو تم بہت ہی فرمانبرداری اور شرافت کا ڈرامہ کرتے ہو تو یہ چالیں وہاں تک ہی کامیاب ہیں۔میں تمہاری اصلیت پہلے بھی جانتی تھی اور اب بھی تم سے اچھے سے واقف ہوں۔"وہ پھنکاری تھی۔میسم صبح صبح کی اس بحث سے جی بھر کے بےزار ہوا تھا۔

"تو کس نے روکا ہے جا کر باقی سب کو بھی بتا دو۔"کوفت زدہ سا کہتا وہ جان چھڑانے کے سے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"بتاؤں گی اور بہت اچھے سے بتاؤں گی اور یہ جو تم میری معصوم بہن کی زندگی برباد کرنے کے اب خواب دیکھ رہے ہو نا خواب ہی رہیں گے یہ۔دیکھ لینا تم؟"سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ وہ اسے انگلی اٹھا کر چیلنج کر رہی تھی۔میسم نے سر جھٹک کر تمسخر آمیز انداز میں مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔پھر کمال فرمانبرداری سے سر کو ہاں میں ہلایا تھا۔

"دیکھ لیں گے۔اب میں جاؤں؟"ابرو اچکا کر کہتا وہ اسے ہمیشہ سے زیادہ زہر لگا تھا۔

"ہمارے ایسے نصیب کہاں جو تم چلے جاؤ۔تم تو گئے ہوئے واپس آ کر ہمارے سروں پر مسلط ہو گئے ہو۔مگر اگر یہ تسلط میری بہن کی زندگی پر جمانے کی کوشش کی تو میں تمہاری اینٹ سے اینٹ بجا دوں گی۔"اسکا حقارت بھرا لہجہ اب میسم کے ماتھے پر بھی

تیوری کا باعث بننے لگا تھا۔اک سرد کاٹ دار نگاہ اس پر ڈال کر اس نے اپنے ہاتھ پینٹ کی جیبوں سے باہر نکالے تھے۔

"تو پھر بہتر ہو گا سبرینہ محمود تم اپنی اینٹیں اکٹھی کرنا شروع کر دو۔" ٹھنڈے ٹھار انداز میں کہتا وہ اسکے پاس سے گزر کر تیزی سے آگے بڑھ گیا تھا۔پیچھے وہ اسکی پشت کو گھورتی شدید اشتعال میں اندر کی جانب بڑھی تھی۔

لاؤنج میں ہی محمود صاحب بیٹھے مل گئے تھے۔بیٹی کے تیور دیکھ کر صورت حال بھانپتے مسکرا کر اسکا خیر مقدم کرنے اٹھ کھڑے ہوئے۔صائمہ اس خبر پر اسکے متوقع ردعمل کے بارے میں پہلے ہی اپنے خدشات کا اظہار کر چکی تھیں اور ایسے ہی کچھ تحفظات انہیں خود بھی لاحق تھے۔

"آؤ بیٹا۔کیسی ہو؟" اسکے قریب آنے پر اسکے پھولے چہرے کے برعکس وہ بڑے نارمل سے انداز میں اسکا سر سینے سے لگا کر بوسہ لیتے پوچھ رہے تھے۔

"ٹھیک ہوں میں۔" الفاظ کے برعکس وہ ٹھیک تو کسی صورت نہیں لگ رہی تھی۔

"میں شانزے کو دیکھتی ہوں۔" نروٹھے لہجے میں کہتی وہ آگے بڑھنے کو تھی جب انہوں نے اسے پکارا۔

"سبرینہ۔۔۔۔۔کوئی مسئلہ ہے بیٹا۔" اپنے کمرے سے نکلتی صائمہ بھی انکی طرف بڑھ آئی تھیں۔

"ابو آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟" بے یقینی سے انہیں دیکھتے اس سے شکایت کی تھی۔

"میں اسکا باپ ہوں۔ میں ہی تو ایسا کر سکتا ہوں۔" اسکی طرف مڑتے انہوں نے انتہائی سنجیدگی سے کہا تھا۔

"باپ ہیں مگر لیکن آپ اسکے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔ ایک ایسا شخص جو کسی صورت میری بہن کے قابل نہیں۔۔۔"

"سبرینہ۔" اسکی بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ اسے سخت آواز میں ٹوک گئے تھے۔

"میں اسکا باپ ہوں اور ابھی میں زندہ ہوں۔ کون اسکے قابل ہے کون نہیں یہ فیصلہ میں خود کروں گا۔ تم نے اپنی زندگی کا فیصلہ خود کیا تھا میں نے پوری خوشی سے تمہارا ساتھ دیا۔ اب شانزے کے معاملے سے تم خود کو دور رکھو بیٹا۔" انکے تنبیہی انداز پر وہ بھونچکا کر انہیں دیکھ رہی تھی۔ محمود آفندی نے اپنی بیٹیوں سے تمام عمر اس انداز میں بات نہیں کی تھی۔ صائمہ بھی پریشان حال سی پاس کھڑی کبھی شوہر کا حد درجہ سنجیدہ چہرہ تو کبھی بیٹی کا غصے سے سرخ پڑتا رنگ دیکھ رہی تھیں۔

"میں کیوں دور رکھوں خود کو ابو۔ وہ میری بہن ہے کوئی بے زبان جانور نہیں جسے آپ بھتیجے کی محبت میں قربان کر رہے ہیں۔" وہ بھی سدا کی منہ پھٹ تھی۔ اب بھی سارے لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے اونچی آواز میں بولی تھی۔ محمود آفندی نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

"آواز نیچی رکھو۔ بھائی صاحب اوپر اپنے کمرے میں ہیں۔" دبی ہوئی آواز میں درشتگی سے اسے باور کروایا تھا۔ انکے بولنے کے شور سے شانزے بھی اپنے کمرے سے باہر نکل آئی تھی اور اب ناسمجھی بھری نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی جو آمنے سامنے خطرناک تیور لئے کھڑے تھے۔

"اچھا ہے سن لیں تایا ابو۔ انہیں بھی احساس ہو یہ کس قدر بے جوڑ رشتے بنائے جا رہے ہیں اس گھر میں۔ اپنی کوئی بیٹی تو ہے نہیں جو دوسروں کی بیٹیوں کی زندگی برباد کرتے انہیں کوئی احساس ہو۔" سینے پر ہاتھ باندھتے وہ بے خوفی سے کہہ رہی تھی۔ صائمہ تیزی سے اسکی جانب بڑھی تھیں جس کی کڑوی زبان انہیں اکثر شرمسار کر دیا کرتی تھی۔ محمود صاحب قہر آلود نظروں سے اسے گھور کر رہ گئے۔

"صائمہ سمجھاؤ اپنی لاڈلی کو۔ یہ نہ ہو غصے میں میرا ہاتھ اٹھ جائے اب۔" ماتھے پر آئے پسینے کو صاف کرتے وہ ہانپنے لگے تھے۔ وہ بہت ٹھنڈے مزاج کے حامل تھے شانزے نے انہیں کبھی یوں غصہ ہوتے نہیں دیکھا تھا وہ انکی جانب بڑھ آئی تھی۔

"میری تو ہر بات بری لگتی ہے ابو آپ کو۔ آپ شانزے سے پوچھ لیں وہ خود اس رشتے سے راضی نہیں ہے۔"

ماں کے آنکھیں نکالنے کے باوجود وہ باز نہیں آئی تھی۔ اپنے نام پر شانزے سٹپٹائی نظروں سے بہن کو دیکھنے لگی تھی جو بڑے یقین سے اب اسے ہی دیکھ رہی تھی جیسے اسکے کہے کی تردید وہ کسی صورت نہیں کرے گی۔

"تم اپنی رائے اس پر مسلط مت کرو۔ وہ خود سمجھدار ہے اپنا بھلا برا خود سوچ سکتی ہے۔" سبرینہ کو کہتے انہوں نے شانزے کو دیکھا تھا۔

"بتاؤ بیٹا تم نے کیا سوچا ہے۔" انکے نرمی سے پوچھنے پر شانزے نے مدد طلب نظروں سے ماں کو دیکھا تھا جو خود بے بس سی کھڑی تھیں۔

"ہاں شانزے کسی دباؤ میں آنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے تمہاری پوری زندگی کا سوال ہے۔" سبرینہ نے اسکی ہمت بڑھانی چاہی۔

"تم چپ رہو سبرینہ۔"سخت نظروں سے اسے دیکھتے انہوں نے ٹوکا تھا وہ نخوت سے سر جھٹک گئی۔

"تم بولو بیٹا۔جو تم چاہتی ہو بنا کسی ڈر اور دباؤ کے۔"اسکے شانے پر اپنا دست شفقت رکھتے وہ مسکرا کر کہہ رہے تھے۔نم آنکھوں سے شانزے نے پہلے سبرینہ کو دیکھا تھا جو آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اشارہ کرتے بنا آواز کے ہلتے لبوں سے بولنے کو کہہ رہی تھی۔پھر بے چارگی سے باپ کو دیکھا تھا جو بظاہر مسکرا کر اسکے جواب کے منتظر تھے مگر انکی پر امید آنکھوں میں بے چینی کے ہلکورے اسے سر جھکانے پر مجبور کر گئے تھے ۔اور پھر اسکی دبی دبی آواز گونجی تھی۔

"میں نے یہ فیصلہ ابو پر چھوڑا تھا مجھے انکا اپنے بارے میں ہر فیصلہ منظور ہے۔"بنا کسی کی طرف بھی دیکھے اس نے کہا تھا۔محمود آفندی کے لبوں سے اک تشکر آمیز سانس خارج ہوا تھا۔

"خوش رہو۔"اسکا سر محبت سے تھپتھپاتے انہوں نے اک جتاتی نظر بڑی بیٹی پر ڈالی تھی جو آنکھیں بے یقینی و صدمہ سے پھاڑے ابھی بھی شانزے کو دیکھ رہی تھی۔

"میں نے کہا تھا نا میری بیٹی بہت سمجھ دار ہے۔وہ کھرے کھوٹے کا فرق پہچانتی ہے ۔"وہ بظاہر صائمہ سے مسکرا کر کہہ رہے تھے مگر سبرینہ کو وہ کسی طنز کی طرح لگا تھا۔

"آپ نے اسے ایموشنل بلیک میل کیا ہے ابو۔اور یہ تو ہے ہی بیوقوف جذبات میں آ کر اپنی زندگی تباہ کر رہی ہے۔خیر بھاڑ میں جائے یہ میں ہی پاگل تھی جو اس کے لئے آواز اٹھانے چلی آئی۔جا رہی ہوں میں۔"ماں کا ہاتھ اپنے شانے سے ہٹاتی وہ جلتی کڑھتی انہیں قدموں واپس ہولی تھی۔

"سبرینہ بیٹا۔۔۔۔بات تو سنو۔"صائمہ نے اسکے پیچھے جانا چاہا تھا۔

"جانے دو صائمہ اسے فلحال وہ اپنے بغض کی آگ میں اندھی ہوئی پڑی ہے کچھ دکھائی نہیں دے رہا اسے۔کچھ دن گزرنے دو خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔"انکے سختی سے منع کرنے پر صائمہ دل مسوس کر رہ گئیں۔

"تم کیوں رو رہی ہو پاگل۔"آنسو بہاتی شانزے کا سر تھپکا۔

"آپی ناراض ہو کر گئی ہیں ابو۔"رندھے ہوئے لہجے میں وہ بولی تھی۔

"تو کون سا پہلی بار ایسا ہوا ہے اسکی مرضی کے خلاف کچھ بھی ہو وہ ہمیشہ ایسے ہی ناراض ہو کر جاتی ہے۔تھوڑے دن بعد ٹھیک ہو جاتی ہے اس بار بھی ایسا ہی ہو گا تم رونا بند کرو۔جاؤ میرے لئے اچھی سی چائے بنا کر لاؤ۔بلکہ پہلے جا کر دیکھو تایا ابو کو سر درد کا آرام آیا کہ نہیں۔ان سے بھی چائے کا پوچھ لینا۔"اسے پچکار کر کہتے وہ خود صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔وہ سر ہلا کر ایک نظر ماں کو دیکھتی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی

تھی۔چال کی مژدگی حد سے سوا تھی۔جو فیصلہ وہ ساری رات جاگ کر نہ کر سکی تھی باپ کے چہرے پر پڑنے والی ایک نگاہ نے کروادیا تھا۔تو کیا واقع ہی اس نے جذبات میں آکر غلط فیصلہ کر دیا تھا۔سبرینہ کے الفاظ اسے مزید دلبرداشتہ کر رہے تھے۔

. . . .

سبرینہ ناراض ہو کر گئی تھی۔اس کے باوجود شام تک گھر کا ماحول خوش گوار ہو چکا تھا ۔آناًفاناً جنگل میں آگ کی طرح رشتہ طے پانے کی خبر پورے خاندان میں پھیل گئی تھی۔جو بھی سنتا حیرت کا ایک بار تو اظہار ضرور کرتا۔عجیب چہ میگوئیاں شروع ہو گئی تھیں۔بھلا محمود آفندی کو ایسی بھی کیا مجبوری تھی جو اپنی پڑھی لکھی،خوبصورت،کم عمر بیٹی دو بار کے طلاق یافتہ مرد سے کرنے کو تیار ہو گئے تھے۔گھر میں مبارک باد دینے کے لئے آنے والی آس پڑوس آنٹیاں اور رشتے دار خواتین بھی دبے دبے لفظوں میں جتا کر ہی جاتی تھیں۔صائمہ تو ایسے میں ازراہ مروت مسکرا کر بات ٹال جاتیں مگر آتے جاتے کوئی جملہ شانزے کے کانوں میں پڑتا تو اسے اپنی قسمت پر اور رونا آتا۔دل پہلے ہی اچاٹ تھا مزید بے زار ہونے لگتا۔آتے جاتے ہوئے میسم کہیں دکھائی دے جاتا تو اسے یوں جلا دینے والی نظروں سے دیکھتی جیسے سارا کیا دھرا ہی اسی کا ہو۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews
Zubinovelsone.com

وہ تو چلتا پھرتا روبوٹ تھا چہرے پر سجی سنجیدگی اور بے تاثر پن ہنوز ہر وقت قائم رہتا تھا مگر اسے دیکھ کر وہ ضرور غصے سے لال پیلی ہری ہونے لگتی تھی بلکہ اب تو اسے لگتا تھا وہ خود چلتی پھرتی ست رنگی دھنک بن گئی ہے۔ چہرے پر ایک رنگ آتا تو دوسرا جاتا۔ اس پر مستزاد سبرینہ اسکے کسی کال اور میسج کا جواب نہیں دے رہی تھی۔ اتنے دن ہو گئے تھے اسکی ناراضگی اس بار ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ محمود آفندی خود اس کے گھر جا کر اسے منا کر آئے تھے جس کے بعد بلا آخر اسے شانزے کی کال اٹھانے کی یاد آ ہی گئی تھی۔

"ابھی تک ناراض ہیں؟" حال احوال پوچھنے کے بعد اسکے لہجے کے بیگانے پن پر وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی تھی۔

"تو کیا نہیں ہونا چاہیے؟ میں وہاں تمہارے لئے لڑ رہی تھی شانزے کہ رات کو کال کر کے روتے ہوئے تم نے کہا تھا تمہیں اس سے شادی نہیں کرنی۔ اور تم۔۔۔۔ تم نے کیا کیا۔ ابو کے سامنے اپنے فرمانبردار بیٹی ہونے کا رول نبھاتے نبھاتے اپنے پیر کو آپ کلہاڑے پر دے مارا۔ خیر میری بلا سے میرا کیا جاتا ہے اپنا کیا اب خود بھگتنا تم۔" وہ بڑی بے رحمی سے تجزیہ کرتے اسکے دل کا تیا پانچہ کر گئی تھی۔

"سوری آپی! مجھے پتہ ہے آپ میرے لئے بول رہی تھیں مگر میں کیا کرتی؟ آپ نے دیکھا تھا نا ابو کو کس قدر امید تھی مجھ سے میں چاہ کر بھی انکار نہیں کر پائی۔ کس قدر دکھ ہوتا نہیں۔" وہ مزید دلگرفتہ ہوئی۔

"تو بس پھر رونا کس بات کا ہے خوشی خوشی دلہن بننے کی تیاریاں کرو۔ ابو کی نظروں میں اچھی بیٹی کا امیج سلامت رکھ لیا ہے نا تم نے اب زندگی بھر روتی رہنا انکی خوشی کے چکروں میں۔" وہ اسکی بیوقوفانہ منطق پر کڑھ کر کال ڈراپ کر گئی تھی۔ سبرینہ نے خود ہمیشہ اپنی زندگی کے ہر فیصلے میں اپنی مرضی کو مقدم جانا تھا۔ اسکے نزدیک اپنی زندگی انسان کو اپنی خوشی کے لئے گزارنی چاہیے نہ کہ ساری عمر دوسروں کو خوش کرنے کے جتن کرنے میں۔ اپنے کپڑوں جوتوں سے لے کر پڑھائی اور پھر شادی تک کا فیصلہ اسکی اپنی پسند سے ہوا تھا۔ اسکی من مانی کی یہ عادت اس قدر پختہ ہو گئی تھی کہ خود سے نو سال چھوٹی شانزے کو بھی بہت سے معاملوں میں وہ اپنا تابع بنا چکی تھی۔ بچپن میں ہی جو چیز اسے اچھی نہیں لگتی تھی پھر بھلے وہ شانزے کو کتنی پسند کیوں نہ ہو وہ اسے کبھی وہ چیز لینے نہیں دیتی تھی۔ بلکہ اس میں سے اتنی مینخ نکالتی کہ خود شانزے کا دل اس چیز سے بے زار ہونے لگتا تھا۔

وقت کے ساتھ ساتھ یہ عادت پختہ ہوتی چلی گئی تھی۔ میسم عبّاس سے سبرینہ کی بچپن سے نہیں بنتی تھی۔ وجہ اسکی روکھی سوکھی سی طبیعت تھی۔ وہ بچپن سے کم گو ثابت ہوا تھا۔ اور کچھ وہ اپنی عمر کی نسبت زیادہ سنجیدہ اور بردبار طبیعت رکھتا تھا۔ محمود آفندی کا اس سے لگاؤ بچپن سے زیادہ تھا۔ باقی بھتیجوں کی نسبت وہ اسے زیادہ اہمیت دیتے تھے اور کبھی کبھار وہ اسے سبرینہ پر بھی ترجیح دے جایا کرتے تھے۔ ایسے میں وہ بے وجہ اس سے چڑنے لگی تھی اور جوانی تک پہنچتے یہ چڑ ناپسندیدگی میں بدلنے گی تھی

۔ شانزے اس سے نو سال چھوٹی تھی اس لئے جہاں وہ اسکا بہت خیال رکھتی تھی وہاں وہ اس پر کنٹرول بھی خوب رکھتی تھی۔ اسے کیا کھانا ہے اسکول میں کس سے دوستی کرنی ہے۔ کون سے کپڑے پہننے ہیں سب میں اسکی چلتی تھی۔ صائمہ نے اسے ہمیشہ اسکی بڑی بہن ہونے کے ناطے محبت کی نظر سے دیکھا تھا۔ مگر وقت تھوڑا اور آگے بڑھا تو انہیں یہ چیز کھٹکنے لگی تھی۔ شانزے کی اپنی شخصیت اس سب میں دبنے لگی تھی جو ان کے لئے تشویش کا باعث تھا۔ رفتہ رفتہ انہوں نے سبرینہ کو ٹوکنا شروع کر دیا تھا مگر تب تک شانزے اس پر انحصار کی اتنی عادی ہو چکی تھی کہ اب اسکا اپنا گزارا بہن کی رائے کے بغیر ناممکن تھا۔

میسم سے سبرینہ کی چڑ غیر محسوس انداز میں شانزے میں بھی منتقل ہوئی تھی۔ جب گھر میں سبرینہ اور میسم کے رشتے کی بات چلی تو سبرینہ نے اسقدر واویلا مچایا تھا کہ کہیں نہ کہیں اس کے گیارہ سالہ ذہن میں یہ بات پختہ ہو گئی تھی ضرور میسم میں ہی کچھ برائی ہے جو اسکی بہن اس سے شادی کے لئے آمادہ نہیں ہوئی۔ سبرینہ کی مرضی نہ دیکھ کر گھر کے بڑوں نے چپ سادھ لی تھی۔ پھر فریحہ سے میسم کی شادی ہو گئی۔ شروع شروع میں تو سب ٹھیک رہا تھا مگر پھر شادی کے دو تین ماہ بعد ہی فریحہ نے دبے دبے لفظوں میں میسم کے بارے میں باتیں کرنا شروع کر دی تھیں۔ سبرینہ کو جہاں میسم ایک آنکھ نہ بھاتا تھا اسکی بیوی سے بڑی گاڑھی جم گئی تھی۔ میسم کے آفس ٹائم میں فریحہ اکثر انہی کے پورشن میں پائی جاتی تھی۔ اور زیادہ تر وہ سبرینہ کے کمرے میں ہی بیٹھا کرتی تھیں۔ ایسے میں شانزے اور سبرینہ کا ایک ہی کمرہ ہونے کے باعث اکثر شانزے بھی اپنے کمرے میں موجود ہوم ورک کرنے یا اپنے بستر پر آرام کر رہی ہوتی تھی۔ وہ دونوں آپس میں دھیمی آواز میں باتیں کرتے کبھی اسے سویا ہوا جان کر تو کبھی اپنی پڑھائی میں مصروف دیکھ اس سے بالکل غافل ہو جایا کرتی تھیں۔ ایسے میں فریحہ کے میسم سے سارے گلے شکوے نا چاہتے ہوئے بھی اس کے کانوں تک پہنچ ہی آتے تھے۔

میسم اس پر شک کرتا ہے۔اسے اسکے کزنز سے اسکا بات کرنا پسند نہیں۔وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس سے لڑتا ہے،بے عزتی پر اتر آتا ہے۔فریحہ اسکے ساتھ خوش نہیں ہے ایسی بہت ساری باتیں ڈسکس ہوتی تھی اور آخر میں فریحہ بڑی حسرت سے سبرینہ سے کہا کرتی تھی اسکی قسمت اچھی ہے جو وہ میسم جیسے خود پسند، تنگ نظر و دل انسان سے بچ گئی تھی۔ایسے میں اسکی بھرائی آواز اور اکثر بھیگی آنکھیں دیکھ اسے فریحہ سے ہمدردی ہونے لگتی تھی۔وہ ایک ایسی پری جیسی لگتی جو کسی ظالم دیو کی قید میں ہو۔سبرینہ اسکی ہمت بندھاتی۔اسے اپنے لئے اسٹینڈ لینے کا کہتی،اپنے گھر والوں کو اس سب میں انوالو کرنے کو کہتی تو وہ ہر بار منع کر دیتی۔اس امید پر کہ شاید میسم بدل جائے۔

مگر وہ نہیں بدلا تھا بلا آخر وہ ہوا تھا جس کا کسی نے سوچا تک نہیں تھا۔اس شام شانزے فریحہ کو ڈھونڈتی اس کے کمرے میں گئی تھی جب بے دھیانی میں بنا دستک کے دروازہ کھولنے پر اس نے اپنی آنکھوں سے میسم کو غصے کی حالت میں نیم پاگل ہوتے فریحہ کا گلا دباتے دیکھا تھا۔فریحہ نے چیخ چیخ کر پورے گھر کو اکٹھا کر لیا تھا اور پھر جو انکشافات ہوئے تھے اس نے سب کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

وہ رو رو کر اسکا ایک ایک ظلم گنوا رہی تھی۔بہتے آنسوؤں کے ساتھ اسکے گال پر میسم کی انگلیوں کے نشان اس قدر واضح تھے کہ اسکی باتوں سے اختلاف کی راہ بچتی ہی نہیں

تھی۔ میسم اسے مارتا ہے اس پر شک کرتا ہے، اس سے لڑتا جھگڑتا ہے سے بات شروع ہو کر جس نقطے پر ختم ہوئی تھی وہ بھیانک ترین تھا۔ فریحہ نے الزام لگایا تھا کہ میسم نے اپنے ہی بچے کے ابارشن کے لئے اسے فورس کیا تھا وہ فلحال بچہ نہیں چاہتا تھا اور اسکے ڈر سے مجبور ہو کر وہ یہ قبیح فعل سرزد کر بھی چکی تھی۔

سب بے یقینی سے میسم کو دیکھ رہے تھے جو سرخ آنکھوں اور سفید پڑتی رنگت میں چپ چاپ بنا کسی تردید کے سب سن گیا تھا۔ کوئی احتجاج نہیں کیا گیا تھا، کوئی وضاحت کوئی صفائی پیش نہیں کی گئ تھی۔ صاف ظاہر تھا فریحہ جو کہہ رہی تھی سب سچ تھا اور میسم ہی اصل قصوروار تھا۔ گھر والوں نے صلح صفائی کی کوشش کی تھی مگر فریحہ کی ایک ہی رٹ تھی وہ میسم کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تھی اسے اس سے طلاق چاہیے تھی بصورت دیگر وہ کورٹ جانے کو بھی تیار تھی۔ اسکے گھر والے بیٹی سے ہوئی زیادتی پر سیخ پا تھے ایسے میں انکی ساری سپورٹ بیٹی کے ساتھ تھی۔ پہلے ہی سب میں خوب تماشہ بن چکا تھا مزید رسوائی سے بہتر تھا میسم خود ہی اسے طلاق دے دیتا مگر یہاں وہ اڑ گیا تھا۔ وہ کسی صورت نہ تو فریحہ کو ساتھ رکھنے کا متقاضی تھا نہ ہی اسے طلاق دینے پر آمادہ۔ ایسے میں سجاد آفندی اور اسکی ٹھن گئی تھی۔ دونوں کے درمیان خوب گرما گرمی ہوئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار وہ باپ کے سامنے اونچی آواز میں بات کر رہا تھا

۔سجاد آفندی کا اس پر ہاتھ اٹھتے اٹھتے رہ گیا تھا۔محمود آفندی نے بڑی مشکل سے بپھرے ہوئے بڑے بھائی کو قابو میں رکھتے میسم کا بچاؤ کیا تھا ورنہ اسکا گال انکے تھپڑوں کی زد میں ہوتا۔

بلاآخر ماں کے منت کرنے اور ہاتھ جوڑنے پر مجبور ہوتے میسم نے بحالت جبر فریحہ کو طلاق دی تھی۔ مگر پھر وہ خود بھی یہاں نہیں رہا تھا دو ماہ کے قلیل عرصے میں وہ امریکا چلا گیا تھا۔سب اسکی ناراضگی سمجھنے سے قاصر تھے۔ غلطی اسکی اپنی تھی اس کے باوجود وہ اس قدر غصہ و ناراضگی کا اظہار کر رہا تھا یہ سمجھ سے باہر تھا۔رفتہ رفتہ سب نے اسے اسکے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ایسے میں محمود آفندی نے اس سے رابطہ بنائے رکھا تھا۔جو بھی ہوا تھا اس میں میسم کی مجرمانہ خموشی کے باوجود انکا دل ان سب الزامات کو ماننے سے انکاری تھا۔اسکے یہاں ہوتے ہوئے انہوں نے کہیں بار اس سے سچ پوچھنا بشری اسکے لئے روتی رہتی تھیں۔اسکا دکھ انہیں وقت سے پہلے بستر مرگ تک لے گیا تھا یہ بھی اسکی خوش نصیبی تھی جو انکے مرنے سے پہلے وہ آکر ان سے مل گیا تھا ورنہ یہ کسک ساری زندگی رہتی۔ مگر اسکے بعد جو وہ گیا تو آٹھ سال تک واپس پلٹ کر نہ دیکھا۔

وہ گیا تھا تو سب کی زندگیوں میں اک بھونچال لا کر گیا تھا۔اب واپس آیا تھا تو بھی سر پر آسمان ہی گرایا تھا اور اس بار اسکی زد میں شانزے آئی تھی۔اسکا چڑیا جتنا دل بری طرح زخمی ہوا تھا۔

وہ موبائل ہاتھ میں لئے اپنے ہوئے نقصان کا تخمینہ لگا رہی تھی جب گیٹ کھلا تھا اور اسکی گاڑی اندر داخل ہوئی تھی۔اسے دیکھ کر اسکا زور زور سے رونے کا جی چاہا تھا۔بھلا کسی کی قسمت یوں بھی پھوٹتی ہو گی جس طرح اسکی پھوٹی تھی۔کار سے نکلتے ہوئے میسم کی بس ایک سرسری سی نظر اسکی جانب اٹھی تھی۔حسب حال وہ اسے سخت نظروں سے گھور رہی تھی۔اگلے ہی پل نظر ہٹا کر وہ بے نیازی سے اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

"اللہ پوچھے آپ سے میسم بھائی۔میری ہنستی بستی زندگی میں آگ لگا کر خود پر سکون ٹھنڈی سانسیں لے رہے ہیں آپ۔میں مر کیوں نہیں جاتی۔بلکہ میں کیوں؟مجھ معصوم کی کیا غلطی؟جو کرے وہی بھرے میسم بھائی آپ کیوں نہیں مر جاتے۔" غم و غصے سے پاگل ہوتے وہ خود نہیں جانتی تھی وہ کیا سوچ رہی ہے۔

. . . .

.

گھر میں شادی کی تیاریاں چل رہی تھیں۔صائمہ آئے دن بازاروں کے چکر کاٹ رہی تھیں۔ایسے میں اسے ہول اٹھ رہے تھے۔امی کی منت سماجت پر سبرینہ بھی اپنی ضد چھوڑ کر انکی مدد کو آ پہنچتی تھی۔شاپنگ اسکا پسندیدہ مشغلہ تھا۔شانزے نے سب اسکے سر ڈال کر خود کی جان خلاصی کروالی تھی۔بازاروں کے چکر لگاتے اسے پہلے بھی موت پڑتی تھی آج کل تو صحیح معنوں میں دل ہی مردہ ہوا تھا۔

کچھ ہی دنوں میں علی کی فیملی بھی آنے والی تھی۔جوں جوں دن قریب آرہے تھے اسکا چہرہ اترتا جارہا تھا۔محمود آفندی کے سامنے وہ بے دلی سے مسکراتی تو لگتا اب ساری عمر یہی ایکٹنگ کرتے ہی گزرنے والی تھی۔صائمہ اسکی کیفیت سمجھ رہی تھیں اس لئے اسے زیادہ چھیڑتی نہیں تھیں۔پہلے کی طرح بھگا بھگا کر اس سے کام بھی نہیں کرواتی تھیں۔آتے جاتے ہوئے اسے خود سے لگا کر پیار کرتیں تو اسکی آنکھیں بے اختیار نم ہونے لگتیں۔

اسکا برائیڈل ڈریس آگیا تھا۔سبرینہ دوپٹہ اس کے سر پر ٹکائے اسے دیکھ کر تمسخر سے مسکرائی تھی۔

"بہت پیاری لگو گی دولہن بن کر مگر افسوس ایک ایسے مرد کی سیج سجانے جا رہی ہو جو تیسری بار اس تجربے سے گزر رہا ہے۔ تمہارے حصے میں کیا آئے گا اسکے بوسیدہ جذبات۔" بھاری کامدار دوپٹہ شانزے کے سر سے ڈھلک گیا تھا۔

"آپی۔۔۔" تیزی سے آنکھوں میں تیرتی نمی کے ساتھ اس نے التجائی انداز میں اسے پکارا تھا۔ پتہ نہیں وہ اتنی سفاک کیوں بن جایا کرتی تھی ہر وقت اپنی طنزیہ باتوں سے اسکے معصوم پہلے سے ٹوٹے دل کو اور کرچی کرچی کرنے کو تیار رہتی ۔

"کیا آپی ؟ دل مضبوط کر و اپنا شانزے محمود۔ اتنی بڑی قربانی دینے جا رہی ہو آسان تو نہیں ہو گا۔ پتہ نہیں کیا کیا سہنا پڑے گا۔" اس کے پر اسرار سے انداز پر دوپٹہ سر سے اتار کر نا سمجھی سے اسے دیکھا تھا۔

"کیا کہنا چاہ رہی ہیں آپ ؟"

"اتنی بچی بھی مت بنو شانزے۔ مرد بڑا کینہ پرور مخلوق واقع ہوئی ہے۔ اور تم سے تو میسم کے حساب بھی بہت سے نکلتے ہیں۔" اسکے بھولپن پر وہ کوفت زدہ سی بولی۔

"کیسے حساب ؟"۔ سر سراتی آواز میں نا چاہتے ہوئے بھی خوف گھل گیا تھا۔ سبرینہ نے اسکی عقل پر ماتم کرتے اسے تاسف بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

"تم بھول سکتی ہو شانزے تم سبرینہ محمود کی بہن ہو مگر میسم یہ بات کبھی نہیں بھولے گا۔جانتی ہو نا سبرینہ کون تھی؟ سبرینہ وہ تھی جس نے پہلی بار میسم عبّاس کو ٹھکرایا تھا ۔اور مرد اپنے آپ کو ٹھکرانے والی عورت کو کبھی نہیں بھولتا۔اس کے خلاف عناد اپنے دل میں ہمیشہ پالے رکھتا ہے۔اگر وہ بدلا تم سے لینے پر اتر آیا تو کیا ہوگا سوچا ہے تم نے؟"اسکی زرد پڑتی رنگت بھی اسے گل فشانی کرنے سے روک نہیں پائی تھی۔

"چلو ہم کچھ دیر کے لئے اس بات کو نظرانداز کر بھی دیں تو کیا میسم یہ بھول گیا ہوگا جو تمہاری وجہ سے اسکے ساتھ ہوا تھا؟ یاد ہے فریحہ کو زدوکوب کرتے تم نے ہی اسے دیکھا تھا اور فریحہ کے حق میں گواہی بھی تایا ابو اور سب گھر والوں کے سامنے تم نے دی تھی جس نے فریحہ کے کیس کو مضبوط کیا تھا۔تمہیں کیا لگتا ہے میسم کو یہ یاد نہیں ہوگا کیا؟"دم سادھے سنتے اسکی آنکھ سے آنسو بہہ نکلے تھے مگر سبرینہ کو اس پر ترس نہیں آیا تھا۔زندگی میں پہلی بار شانزے نے اسکی کسی بات سے انحراف کیا تھا وہ اسے معاف تک کرنے کو تیار نہیں تھی۔اس گھر میں آتے ہوئے اسکا جتنی بار بھی میسم سے سامنا ہوتا تھا اسے رہ رہ کر شانزے پر غصہ آتا تھا۔اس دن باہر کھڑے ہو کر اس نے کس قدر کروفر سے کہا تھا وہ اسکی شانزے سے شادی نہیں ہونے دے گی۔اور وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو بھی جاتی اگر شانزے پیچھے نہ ہٹتی۔اسکی وجہ سے اسے میسم کے

سامنے سسکی اٹھانی پڑی تھی۔اس کی اپنی طرف اٹھتی نگاہیں خود پر ہنستی محسوس ہوتی تھیں جب وہ کبھی مارکیٹ سے صائمہ کے ساتھ واپس آتی اور وہ کبھی گھر میں موجود ہوتا۔کیا سوچتا ہوگا وہ باتیں تو بڑی بڑی کی تھیں اب کس منہ سے اسکی شادی کی تیاریاں کرتی پھر رہی تھی۔

"وہ جو نظر آتا ہے ناشانزے وہ ہے نہیں؟اس نے فریحہ کو کتنا ٹارچر کیا مگر کسی کو کانوں کان خبر تک نہیں ہونے دی تھی۔کتنا معصوم بنا پھرتا رہا تھا۔بنیادی طور پر وہ چھپ کر وار کرنے والوں میں سے ہے۔سب کے سامنے اچھا بننے کا ڈھونگ رچائے وہ اپنی اصلیت سامنے تک نہیں آنے دیتا مگر اپنی فطرت بدل بھی نہیں سکتا۔ورنہ پہلی کے بعد دوسری شادی کیوں ناکام ہوتی؟اس لئے اسکی زندگی کا حصہ بننے سے پہلے خود کو ہر لحاظ سے پوری طرح تیار رکھنا۔ہوں؟"اسکا خوفزدہ چہرہ تھپتھپا کر وہ کمرے سے باہر نکلتی چلی گئی تھی۔پیچھے ہوائیاں اڑے چہرے کے ساتھ وہ بیڈ پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔بیڈ پر پڑے اپنے عروسی جوڑے کا دوپٹہ بیڈ پر رکھے ہاتھ کے نیچے آیا تھا۔اک ٹوٹی ہوئی سسکی اسکے لبوں سے خارج ہوئی تھی۔دوپٹے کو سختی سے مٹھی میں بھینچتے اس پر لگے نگ اس کی ہتھیلی میں جیسے پیوست سے ہوگئے تھے۔درد کا احساس سا جاگا۔شل

ہوتے ذہن کے ساتھ اسے آگے صرف اور صرف اندھیروں کے گہرے بادل منڈلاتے نظر آرہے تھے۔

. . . .

کہیں دنوں کے اعصابی دباؤ نے بخار کی شکل جو اختیار کی تو ایسا چمٹا کہ شادی کے دن بھی وہ بخار میں تپ رہی تھی۔ دولہناپے کا روپ بخار کی تمازت سے دو آتشہ ہو رہا تھا۔ ہلکے گلابی رنگ کے بھاری لہنگے میں وہ موم کی گڑیا معلوم ہوتی تھی۔ اسکے پہلو میں بیٹھے سفید بالکل سادہ کاٹن کے کرتا شلوار پر نفیس مگر کسی بھی تزئین و آرائش سے مبرا پرنس کوٹ پہنے میسم کے گلے میں تازہ گلابوں کا ہار اسے دولہا ظاہر کر رہا تھا۔ ورنہ اسکی تیاری بہت سادہ سی تھی۔ مبارک باد کے لئے اسٹیج پر آنے والے مہمان رشتہ دار سے ملتے وہ بے دھیانی میں بیٹھا تو اسکا اپنا دوپٹہ ٹھیک کرتی شانزے کے گرم بخار سے تپتے ہاتھ سے ٹکرایا تھا۔ اس نے چونک کر گردن موڑے اسے دیکھا تھا جو خلاف معمول بہت خموشی سے ستے ہوئے چہرے کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ ہر ممکن حد تک اسے نظر انداز کیے ہوئے تھی میسم لب بھینچ کر سامنے دیکھنے لگا تھا۔

رخصتی کے بعد ہوٹل سے گھر تک کا سفر بڑی خموشی سے کٹا تھا۔اسکی طبیعت کے پیش نظر اسے جلد ہی کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ سبرینہ ہوٹل سے ہی واپس اپنے گھر چلی گئی تھی۔دنیاداری کی خاطر وہ سب کے سامنے تو مسکراتی رہی تھی مگر اب مزید ایکٹنگ کرنے کی اس میں بھی سکت نہیں رہی تھی۔اس لئے بہتر یہی تھا وہ اپنے گھر واپس چلی جاتی۔صائمہ نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

شیریں نے اسے زبردستی چند نوالے کھانا کھلا کر بخار کی دوا کھلائی تھی۔

"نکاح کے بعد میسم کے گلے ملتے محمود آفندی نے میسم سے بس اتنا ہی کہا تھا۔

"اپنی سب سے پیاری چیز تمہیں سونپ رہا ہوں میسم خیال رکھنا۔"

انکا چھوٹا سا فقرہ اسکے کندھوں پر کس قدر بوجھ ڈال گیا تھا میسم کو اپنے شانے انکی امیدوں کے بوجھ تلے ڈھلکتے محسوس ہوئے تھے۔

"میسم بیٹا۔"

سیڑھیاں چڑھتے اس نے صائمہ کی پکار پر پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔

"شانزے کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ خرابی طبیعت میں کچھ چڑچڑی سی ہونے لگتی ہے۔اسکا دھیان رکھنا۔" انکے التجائی انداز پر مسکرا کر سر ہلاتا وہ سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔

کمرے میں قدم رکھتے اسکے احساسات سرد سے تھے۔ کوئی نیا جذبہ، کوئی اچھوتا سا احساس اپنے دل میں جاگتا محسوس نہ ہوا تھا۔

کمرے کا لاک لگنے کی آواز کے ساتھ ہی وہ جو بیڈ کے کونے پر پاؤں نیچے کیے بیٹھی تھی سرعت سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ زیوروں کی جلترنگ نے میسم کو اسکی طرف متوجہ کیا تھا جو سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ کھڑی اسے خوف وہراس بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ میسم کو اچنبھا ہوا تھا۔ وہ پچھلے تین ماہ سے اسکو دیکھ رہا تھا۔ وہ کوئی دبو قسم کی لڑکی نہیں تھی اور خود سے ڈرتے تو اس نے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

گلے میں پہنا ہار تو پہلے ہی وہ باہر کہیں اتار چکا تھا۔ پرنس کوٹ اتارتا وہ آگے بڑھا تھا ۔اسکے ہر بڑھتے قدم پر شانزے کا سانس خشک ہونے لگا تھا۔

"کھڑی کیوں ہو۔ بیٹھ جاؤ۔" کوٹ صوفے پر رکھتے ہوئے کہتا وہ اسکی جانب دیکھ رہا تھا جو سر کو نفی میں ہلا رہی تھی۔ اس نے قدم آگے بڑھانے چاہے تھے جسے شانزے کی تیز آواز نے وہیں روک دیا تھا۔

"وہیں رک جائیں۔ آگے مت بڑھیے گا۔ میں بتا رہی آپ کو۔" انگلی اٹھا کر اسے تنبیہ کرتی اسکی آواز میں خوف کی آمیزش گھلتی میسم کو حیرت زدہ کر گئی تھی۔

"شانزے میں۔۔۔۔"اس نے مصالحتی انداز میں ہاتھ اٹھا کر اسکی طرف پیش رفت کرنی چاہی تھی۔

"آپ سن کیوں نہیں رہے۔۔۔۔میں۔۔۔میں منع کر رہی ہوں نا آپ کو۔میں شور مچادوں گی۔"چینخنے کے سے انداز میں کہتی وہ گھٹی گھٹی آواز میں رو دی تھی۔میسم نے پریشانی سے صورت حال بھانپنے کی کوشش کی تھی۔یہ سب اسکے لئے قطعی غیر متوقع تھا۔اسکا رونا میسم کی سمجھ سے باہر تھا۔

"اوکے میں نہیں آرہا پاس۔ٹھیک ہے؟"دھیمی آواز میں اس نے اسے بے چارگی سے دیکھتے کہا تھا۔

"یہی آپ کے لئے اچھا ہوگا۔میں۔۔۔۔میں فریحہ بھابھی نہیں ہوں۔میرے ساتھ کچھ بھی برا کرنے سے پہلے ہزار بار سوچئے گا آپ۔میں چپ چاپ آپ کے ظلم سہنے والی نہیں ہوں اگر۔۔۔۔۔اگر آپ نے کچھ بھی ایسا ویسا کرنے کا سوچا بھی تو میں چلا چلا کر سب کو اکٹھا کر لوں گی۔پھر تایا ابو اور ابو مل کر اچھے سے دیکھ لیں گے آپ کو۔مجھے کمزور سمجھنے کی غلطی مت کیجئے گا۔"

گالوں پر بہتے آنسوؤں کو صاف کرتے وہ اسے دھمکا رہی تھی یا خود کو حوصلہ دے رہی تھی وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔مگر وہ بری طرح سے پھنسا تھا۔نئی زندگی کی شروعات کے

ساتھ ہی وہ اسے فریحہ کا طعنہ دے رہی تھی۔اس نئے تعلق سے کوئی خاص امیدیں پہلے بھی وابستہ نہیں تھیں اسکے الفاظ اور رویے نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی تھی ۔وہیں صوفے پر بیٹھتے اس کا چہرہ ہر طرح کے تاثر سے عاری تھا۔وہاں صرف سنجیدگی نظر آتی تھی۔

"بیٹھ جاؤ شانزے۔" قدرے سختی سے کہتے وہ اس آفت کو چبھتی نظروں سے دیکھ رہا تھا جس کا وجود اب ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

"حکم مت چلائیں مجھ پر۔مجھے بیٹھنا ہو گا تو بیٹھ جاؤں گی ورنہ یوں ہی کھڑی رہو گی ۔آپ چپ رہیں بس۔" بہتی آنکھوں کے ساتھ اسکا آئی میک اپ بھی بہنے لگا تھا۔میسم نے لب بھینچ کر ضبط کیا تھا۔کون حکم چلا رہا تھا یہ توصاف نظر آرہا تھا۔کچھ دیر تک وہ اسے یوں ہی دیکھتا رہا تھا جو بس رونے کے شغل میں زوروشور سے مصروف تھی ۔کمرے میں اب اسکی بندھتی ہچکیوں کی آواز گونجنے لگی تھی۔مزید تماشہ دیکھنا اسکے لئے ممکن نہیں رہا تھا۔وہ تیزی سے اٹھتا اسکی جانب بڑھا تھا اسے اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر خوف سے پھیلی آنکھوں کے ساتھ اگلے ہی پل وہ لہرا کر گری تھی۔میسم نے بمشکل بازو آگے کرتے اسے زمین بوس ہونے سے بچایا تھا۔اسکی باہوں میں جھولتی وہ ہوش وحواس سے بیگانہ ہو چکی تھی۔میسم کے صحیح معنوں میں ہاتھوں کے طوطے

اڑے تھے۔اسے بیڈ پر منتقل کرتے وہ اس پر جھکا اسکا چہرہ تھپتھپاتے اسے پکار رہا تھا مگر اسکی بند پلکوں میں ذرا برابر بھی جنبش نہ ہوئی تھی۔سر کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے اس نے بے بسی سے اسکے ساکت پڑے وجود کو دیکھا تھا۔گھر میں کچھ مہمان بھی تھے ۔ایسے میں شانزے کی بے ہوشی کہیں افسانے بنانے کا باعث بن سکتی تھی۔کچھ سوچ کر اس نے جیب میں سے موبائل نکال کر علی کو کال کی تھی۔کچھ ہی دیر تک کمرے کے دروازے پر بہت ہلکی سی دستک ہوئی تھی۔شب خوابی کے لباس میں ملبوس علی کے ساتھ شیریں بھی باہر کھڑی تھی۔میسم نے دروازہ کھولا تھا۔شیریں تیزی سے اندر داخل ہوتی شانزے کی جانب بڑھ گئی تھی۔اسکی نبض ٹٹولتے وہ اسکا معائنہ کر رہی تھی ۔علی بھائی کے پہلو میں آ کھڑا ہوا تھا جو پریشان سا لگتا تھا۔

"بی پی لو ہو گیا ہے۔سٹریس کی وجہ سے بے ہوش ہوئی ہے ابھی ٹھیک ہو جائے گی ۔" پیچھے مڑ کر میسم سے کہتی وہ دوبارہ شانزے کی جانب مڑی تھی۔پانی کے گلاس سے اس کے منہ پر چھینٹے مارتے وہ اسے ہوش میں لانے کی سعی کر رہی تھی۔

"سوچنے کی بات ہے میسم بھائی! آپ نے ایسا بھی کیا کر دیا جو یہ بے ہوش ہی ہو گئی ہے ۔" اتنے ٹینس ماحول میں بھی علی کی رگ ظرافت پھڑکی تھی۔بدلے میں میسم نے

گردن موڑ کر اسے جن سرد نگاہوں سے دیکھا تھا علی گڑبڑا کر اس سے ذرا فاصلے پر ہوا تھا۔

شانزے ہوش میں آ رہی تھی علی بھائی سے پہلو بچاتا اسکی طرف بڑھا تھا۔ اسکے آنکھیں کھولنے پر شیریں اس کی پیشانی چومتے پوچھ رہی تھی۔

"تم ٹھیک ہو شانزے؟"

"ہوسپٹل لے کر جانے کی ضرورت ہے کیا؟" تفکر سے اسکا زرد پڑتا چہرہ دیکھتا علی شیریں سے مخاطب تھا۔

"ضرورت تو نہیں ہے جوس وغیرہ پی لے گی تو بہتر محسوس کرے گی۔"

"شیریں بھابھی ماما کو بلا دیں پلیز۔" ارد گرد خالی نظروں سے دیکھتے اس نے شیریں کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ آنکھ کے کونے سے آنسو نکل کر بالوں میں جزب ہونے لگے تھے ۔ شیریں نے شوہر کی جانب دیکھا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے شانزے۔ اچھا بلا لیتے ہیں چاچی کو تم رونا بند کرو پہلے۔" جھک کر اسکا سر تھپتھپاتے ہوئے علی نے اک چور نگاہ بھائی کے سنجیدہ چہرے پر ڈالی تھی۔ پھر اسکے پاس سے ہٹتے میسم کے پاس آ کر رہا تھا۔ اجازت طلب نظروں سے بھائی کی جانب دیکھا تھا جس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ سر کو خم دیتے وہ تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ صائمہ کے ہمراہ واپس آیا تھا۔ جو پریشان سی ایک سائیڈ پر کھڑے میسم سے نظریں چراتے بیٹی کی جانب بڑھی تھیں۔ ماں کے سینے سے لگتے اس نے رونا شروع کیا تو وہ بھی بوکھلا کر رہ گئی تھیں۔ میسم کو اب اس پر غصہ آنے لگا تھا۔ قصور وار نہ ہوتے ہوئے بھی اپنا آپ اسے سب کی نظروں میں چور سا لگنے لگا تھا۔ پہلے علی اور شیریں اور اب صائمہ۔ پتہ نہیں سب اسکے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے۔ خفت اور شرمندگی کا احساس اسکے چہرے پر سرخی بکھیرنے لگا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے شانزے۔ بچی تھوڑی ہو اب تم بیٹا۔ اتنی سی بیماری پر کون ایسے روتا ہے۔" ارد گرد سب پر نگاہ ڈالتے انہوں نے اسکا کندھا سہلاتے ہوئے دبے دبے لفظوں میں اسے ٹوکا تھا۔ شیریں اسکے لئے جوس لینے چلی گئی تھی۔ علی ایک طرف ہوتا صوفے ٹک چکا تھا۔ ایک وہی تھا جو بیڈ سے ذرا فاصلے پر پائنتی والی سائیڈ بازو سینے پر لپیٹے اسے گہری سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ صائمہ کو اس آکورڈ سی صورت حال میں بیٹی کے اس بچگانہ فعل پر سبکی سی ہونے لگی تھی۔ میسم کی طرف تو وہ دیکھ بھی نہیں پا رہی تھیں۔ رہ رہ کر شانزے پر غصہ آ رہا تھا مگر ایک تو اسکا بخار اور اوپر سے اس قدر زور و شور سے رونا انہیں اپنے غصے کا اظہار کرنے سے روک رہا تھا۔ مگر وہ دل ہی دل بعد میں اسکی ٹھیک سے عزت افزائی کا پکا تہیہ کر چکی تھیں۔

شیریں کے جوس لانے پر انہوں نے اسے زبردستی اپنے سہارے بٹھا کر جوس پلایا تھا ۔اسکے انکار کرنے پر انکے ایک ہی بار آنکھیں نکالنے پر وہ شرافت سے پورا گلاس ختم کر گئی تھی۔

"اب ریسٹ کرو گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی صبح تک انشاءاللّٰہ۔اسکی طرف جھک کر اسکا گال تھپتھپاتے ہوئے شیریں نے پیار سے کہا تھا۔ علی اٹھ کھڑا ہوا۔

"بچے کمرے میں اکیلے ہیں شیریں۔میرے خیال میں چلنا چاہیے اب۔"اسکے کہنے پر شیریں نے سر ہلایا تھا۔

"شکریہ بیٹا۔تمہیں بھی خواہ مخواہ زحمت ہوئی۔"صائمہ اب شیریں کی مشکور ہو رہی تھیں۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں چاچی آپ بھی۔پیشنٹ کے لئے تو ڈاکٹرز آدھی آدھی رات کو بھی تیار رہتے ہیں اور شانزے یہ کوئی غیر تھوڑی ہے۔بلکہ اب تو زیادہ اپنی ہو گئی ہے ۔جیٹھانی جی جو بن گئی ہے اس سے تو بنا کر رکھنی پڑے گی۔"مسکرا کر شانزے کو دیکھتے اس نے ماحول کا کھچاؤ ذرا کم کرنے کی کوشش کی تھی جواب بھی صائمہ کے گرد اپنا بازو پھیلائے نڈھال سی آنکھیں موندے پڑی تھی۔۔

"جیتی رہو بیٹا۔" وہ مسکرادیں تو وہ دونوں میاں بیوی میسم کی طرف اک الوداعی مسکان اچھالتے آگے پیچھے کمرے سے نکلتے چلے گئے۔ انکے جاتے ہی صائمہ نے شانزے کا بازو اپنے گرد سے ہٹانا چاہا تھا مگر اسکی گرفت میں مزید سختی آگئی تھی ساتھ ہی آنکھیں کھول کر اس نے انہیں دیکھا تھا۔

"شانزے اب تم بھی آرام کرو۔ میں بھی چلتی ہوں میسم بے چارہ بھی تھکا ہوگا ۔" دانت پیس کر انہوں نے بیٹی کو سچویشن کی نازکی باور کروانی چاہی تھی۔ میسم کی وجہ سے وہ آواز میں سختی سے گریز برت رہی تھیں۔

"نہیں یہی بیٹھیں میرے پاس۔ یا پھر مجھے بھی آپ کے ساتھ چلنا ہے۔" ضدی لہجے اور رندھی ہوئی آواز سے کہتی وہ اٹھنے لگی تھی جب اک چور نگاہ میسم پر ڈالتے صائمہ نے اس کو روکا تھا۔

"کیا کر رہی ہو لیٹی رہو آرام سے۔ کہیں نہیں جا رہی تم" شرمندہ ہوتے اس وقت اسکی عقل پر وہ ماتم ہی کر سکتی تھیں۔

"شانزے کا باہر جانا مناسب نہیں رہے گا چاچی۔ آپ پلیز اس کے پاس رک جائیں ۔ اسکی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔" سادہ سے لب و لہجے میں اتنی دیر میں اس نے پہلی بار لب کشائی کی تھی۔ صائمہ دل پر پتھر رکھ کر مسکراتے سر ہلا گئیں۔

"اسکی طبیعت تو میں سیٹ کروں گی ایک بار صبح ملے تو سہی یہ مجھے۔" خشمگیں نظروں سے بیٹی کو دیکھتے وہ دل ہی دل میں خود سے مخاطب تھیں۔ میسم وہاں سے ہٹتا واش روم میں بند ہو گیا تھا۔ اسکے منظر سے ہٹتے ہی اسکی بیماری کی پرواہ کیے بغیر صائمہ نے ایک چپت اسکے کندھے پر رسید کی تھی۔ وہ جو انکی موجودگی میں خود کو قدرے محفوظ جان کر پر سکون ہوتی دواؤں کے زیر اثر غنودگی میں جانے لگی تھی۔ سٹپٹا کر آنکھیں کھول انہیں دیکھنے لگی۔

"کیا تماشہ لگا رکھا ہے یہ شانزے کیوں ماں کو ذلیل کروا رہی ہو۔" واش کے بند دروازے کو دیکھتے انہوں نے اسے جھڑکا۔

"میں بیمار ہوں مما اور آپ کو تماشا لگ رہا ہے۔" اسے اک بار پھر سے رونا آنے لگا تھا۔ صائمہ نے اسے گھورا۔

"خدانخواستہ کوئی بستر مرگ پر نہیں پڑی تم جو ایسا کہہ رہی ہوں۔ معمولی سا بخار ہے جو کوئی پہلی بار نہیں ہوا تمہیں۔ مگر اتنی نازک مزاج تو تم پہلے کبھی نہیں رہی۔" وہ اس کے ٹھیک لتے لے رہی تھیں۔

"آپ کو کیا پتہ مجھے تو یہی لگ رہا ہے جیسے میں بستر مرگ پر ہی پڑی ہوں۔ اور موت کا فرشتہ میری طرف رفتہ رفتہ بڑھ رہا ہو ۔" کچھ دیر پہلے میسم کی کمرے میں آمد پر اسکا

خوف کے مارے کچھ ایسا ہی برا حال ہوا تھا۔ایک تو بخار اوپر سے سبرینہ کی باتیں جو ذہن میں بری طرح گردش کررہی تھیں، نے مل کر اسے کچھ یوں ناتواں گیا تھا کہ وہ خود نہیں جانتی تھی میسم کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر اک دم اسے ہوا کیا تھا۔

"اچھا بس اب زیادہ اول فول مت بولو۔سو جاؤ آرام سے۔لے کر بچے کے سامنے شرمسار کر دیا تم نے مجھے۔" واش روم کے بند دروازے پر نگاہ کرتے کہا تو شانزے نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔نیند کا غلبہ سا تھا جو اس پر طاری ہونے لگا تھا۔آنکھیں بوجھل سی ہوتی بند ہونے لگی تھیں۔صائمہ نے اسے دیکھا پھر اسکی بے آرمی کے خیال سے غیر محسوس کن انداز میں اسکے زیور اتارنے لگیں۔اس سے فراغت ملی ہی تھی کہ واش روم کا دروازہ کھلا تھا۔وہ شاید شاور لے کر نکلا تھا اسکے گیلے بالوں سے یہی اندازہ ہوتا تھا۔انہیں اپنی طرف متوجہ پا کر رسمی سے انداز میں مسکرایا اور ڈریسنگ ٹیبل کی جانب بڑھ گیا۔صائمہ نے محتاط سی نگاہ سوئی ہوئی شانزے پر ڈالی تھی۔اسکا ماتھا چھوا۔بخار کی حدت پہلے سے کم تھی۔شاید دوا اپنا اثر کر گئی تھی یا انکی موجودگی نے اسکی کھوئی قوت مدافعت بڑھا دی تھی۔

اس کا بازو آہستگی سے اپنے گرد سے ہٹاتے وہ بستر سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔میسم بالوں میں برش کر کے پلٹا تھا۔

"یہ پہلے سے بہتر ہے اب۔میں بھی چلتی ہوں بیٹا۔تمہارے چاچو راہ دیکھ رہے ہوں گے۔تم آرام کرو اب۔"ان کے مسکرا کر کہنے پر میسم نے بھی گردن ہلادی تھی۔

"میسم؟" جاتے جاتے وہ اچانک پلٹیں۔وہ سوالیہ انداز میں انکی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"بیٹا شانزے۔۔۔کی طبیعت میں تھوڑا لاابالی پن ہے۔چھوٹی تھی ناتو محمود صاحب نے کچھ زیادہ ہی لاڈ اٹھائے ہیں اسکے۔تم اسکی کسی بات یا بچگانے رویے پر اپنا دل تنگ مت کرنا بیٹا۔آہستہ آہستہ سنبھل جائے گی۔یہ سب ہوا بھی تو کس قدر عجلت میں ہے ناتو بس ذرا۔"وہ کیا کہنا چاہ رہی تھیں۔وہ اچھے سے سنجھ رہا تھا۔چلتا ہوا انکے قریب آیا

۔

"آپ پریشان مت ہوں چاچی۔میں پوری کوشش کروں گا آپ کے اور چاچو کے مان پر پورا اتر سکوں۔"صائمہ نے بے فکر ہوتے مسکرا کر اسکا شانہ تھپتھپایا تھا۔پھر وہ باہر نکل گئی تھیں۔انکے جانے کے بعد ڈور لاک کرتے سر جھٹک کر گہرا سانس لیتا وہ پلٹا تھا۔شاور لینے سے تنے ہوئے اعصاب ذرا ریلیکس ہوئے تھے۔ایک نظر سوئے ہوئے وجود پر ڈال کر لائٹس آف کرتا وہ سائیڈ لیمپ کی دھیمی سی لو میں چلتا ہوا بیڈ تک آیا تھا۔شانزے اسکی سائیڈ پر سوئی ہوئی تھی۔وہ دوسری سائیڈ پر آکر دراز ہوا تھا۔تکیے پر سر ڈالتے کمبل کھینچ کر خود پر برابر کیا تھا۔ایک اچٹتی نگاہ اسکی پشت پر ڈالتے کروٹ

بدل لی تھی۔پورے دن کی تھکن اور کچھ دیر پہلے عجیب وغریب حالات کے بعد وہ کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتا تھا۔اس وقت اسے صرف اور صرف ایک پر سکون نیند کی طلب تھی۔

. . . .

.

کروٹ بدلنے پر اسکے سر کے بالوں میں کچھاؤ پیدا ہوا تھا۔چہرے پر تکلیف کے آثار نمایاں سے ہوئے تھے۔مندی مندی آنکھیں کھولی تو غیر مانوس سا ماحول کچھ دیر کے لئے ذہن قبول نہیں کر پایا تھا۔کمرے میں نیم تاریکی کا راج تھا۔ گردن گھما کر دیکھا تھا ۔کھڑکی کے پردے کے اس پار صبح کے آثار بڑے روشن سے تھے۔نگاہ نے وہیں سے ذرا نیچے کا سفر طے کیا تھا اسکے دائیں پہلو میں اسی کی طرف کروٹ لئے سویا وجود اسے سٹپٹا کر اٹھنے پر مجبور کر گیا تھا۔وہ جس بجلی کی تیزی سے اٹھ کر بیٹھی تھی ۔نیچے دبے دوپٹے میں کھچاؤ کے باعث بالوں میں اٹکی پنیں اس بار زیادہ درد کا باعث بنی تھیں۔اسکی کراہ بڑی بے ساختہ سی تھی۔میسم کی نیند چینخ نما ہلکی سی آواز پر بھی لمحے کے ہزارویں حصے میں کھلی تھی۔سر اٹھا کر اس نے سامنے دیکھا تھا۔وہ بیڈ پر ذرا فاصلے پر آنکھیں میچ کر سر پر ہاتھ رکھے بیٹھی تھی۔سوئے ہوئے ذہن میں انفار میشن

پر اسس ہوئی تھی۔ چند پل لگے تھے اور اس نے سر واپس سرہانے پر گرادیا تھا۔البتہ آنکھیں کھلی اس پر مرکوز تھیں۔

شانزے نے دوپٹہ کھینچ کر ذرا ڈھیلا کیا تھا۔آنکھیں کھولیں تو اسے خود کو دیکھتا پا کر وہ اگلے ہی لمحے سوچنے کے لئے ایک بھی پل ضائع کیے بستر سے نیچے اتر چکی تھی۔ میسم نے بمشکل کھل رہی آنکھوں سے اسکی پھرتیاں ملاحظہ فرمائی تھیں۔ پھر نظر ایک پل کے لئے اس کے چہرے پر ٹھہر سی گئی تھی۔اور اسکی طرف دیکھتی شانزے کو لگا تھا وہ خفیف سا مسکرایا بھی تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" لیٹے لیٹے ہی خوابیدہ سی آواز میں وہ پوچھ رہا تھا۔شانزے نے رخ ذرا سا بدلتے سر کو ہاں میں جنبش دی تھی۔کچھ لمحے یوں ہی گزرے تھے۔ کن اکھیوں سے اس نے بیڈ کی جانب دیکھنا چاہا تھا اور اسے حیرت ہوئی تھی وہ دوبارہ آنکھیں موندے شاید ایک بار پھر سے سو چکا تھا۔ سر جھٹک کر وہ ڈریسنگ ٹیبل کی جانب بڑھی تھی آئینے میں اپنے عکس پر نگاہ پڑتے بے اختیار اسکا ہاتھ اپنے چہرے تک گیا تھا۔اسے پہلی نظر میں ہی اندازہ ہو چکا تھا میسم کے خود کو دیکھنے پر اسے اسکے مسکرانے کا گمان کیوں ہوا تھا۔اسکا آئی میک اپ رونے اور پھر سونے کے باعث بری طرح سے پھیل کر اسکی آنکھوں کو کسی ہورر مووی کی حسین چڑیل دوشیزہ سے مشابہہ بنا رہا

تھا۔ ہونٹوں پر مہارت سے لگائی لپ اسٹک اب کہیں کہیں سے پھیلتی مضحکہ خیر لگ رہی تھی۔ اسے رات سوتے ہوئے چہرے کے نقوش کو چھونے کی عادت تھی۔ شاید وہ نیند میں آنکھیں ملنے کا کام بھی بخوبی کرتی رہی تھی یہی وجہ تھی کہ اسکے مہندی سے سجے ہاتھوں پر سیاہی کے ہمراہ آئی شیڈز کے رنگ بھی بکھرے ہوئے تھے۔

پنوں سے طبع آزمائی کے بعد وہ دوپٹے سے خود کو آزاد کرتے واش روم میں قید ہو چکی تھی۔ جب وہ واپس باہر نکلی تو شب خوابی کے لئے مختص پلین سوٹ میں دھلے دھلائے سراپے کے ساتھ کافی بہتر محسوس کر رہی تھی۔ بالوں کو تھوڑی دیر تولیے سے رگڑ کر خشک کیا تھا۔ سر پر دوپٹہ لیتے ٹیرس کی طرف کھلتے دروازہ کی چٹخنی گرا کر تولیہ باہر پھیلا یا تھا۔ اپنا لہنگا سنبھال کر وارڈروب میں رکھتے بس اک نگاہ غلط سوئے ہوئے وجود پر ڈال کر دروازہ کھولتی وہ باہر نکلی تو سینے سے اک سکوں آمیز سانس بر آمد ہوا تھا۔ جیسے وہ موت کے منہ سے صحیح سالم نکل آئی ہو۔ اوپر کے پورشن میں مکمل سناٹے کا راج تھا۔ وہ تیز تیز قدم لیتی نیچے آئی تھی۔ لاؤنج تو خالی تھا مگر کچن میں سے آوازیں آرہی تھیں۔ وہ بھی سیدھی وہیں گئی تو اندر صائمہ کے ساتھ ساتھ شیریں بھی موجود تھی۔ وہ دونوں ہی اسکی آمد سے بے خبر اپنی باتوں میں لگی ناشتے کی تیاری میں مصروف تھیں۔ یہاں تک

کہ انہیں متوجہ کرنے کے لئے اسے سلام دیناپڑا تھا۔بیک وقت دونوں اسکی جانب پلٹی تھیں۔

اسکے سلام کا جواب دیتے صائمہ نے وہیں کھڑے کھڑے اسکے لئے باہیں واہ کی تھیں ۔وہ یوں جاکر انکے گلے لگی تھی جیسے سالوں بعد مل رہی ہو۔

"اب کیسی طبیعت ہے۔"انکے پیار سے پوچھنے پر اس نے فقط سر ہلایا تھا۔ صبح صبح انکی ڈانٹ سے بچنے کو پلکیں جھپکا جھپکا کر آنکھوں کی نمی کو روکتے وہ ان سے الگ ہوئی تو شیریں اس سے ملتے طبیعت کا پوچھنے لگی تھی۔ان دونوں کو مسکرا کر مطمئین کرتے وہ فریج کی جانب بڑھی تھی۔

"تمہارے لئے ملک شیک بنایا ہے شانزے تم بیٹھو۔میں دیتی ہو۔" صائمہ نے اسکو روک دیا تھا۔وہ بھی خاموشی سے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تھی۔

"ابو نہیں جاگے ؟"انکے ہاتھ سے گلاس تھامتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

"جاگے ہوئے ہیں ناشتے کے انتظار میں بھائی صاحب کے ساتھ باہر لان میں بیٹھے ہیں "۔

ٹھنڈا ٹھنڈا اسٹرابری شیک اسے اچھا لگ رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے سپ لیتے وہ صائمہ کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو مصروف سی ہاتھ چلاتے اس سے پوچھ رہی تھیں۔

"میسم نہیں جاگا؟"

"نہیں سو رہے ہیں۔" بتاتے ہوئے اسکا لب و لہجہ حیرت انگیز طور پر بالکل نارمل تھا ۔صائمہ کے دل کو تسلی سی ہوئی تھی۔ ورنہ کل رات سے انہیں اسکی جانب سے ڈر ہی لاحق تھا۔ ساری رات نیند ٹھیک سے نہیں آئی تھی۔

"چاچی ناشتہ تو آل موسٹ ریڈی ہے۔ میں علی اور بچوں کو ایک نظر دیکھ آؤں پھر ٹیبل سیٹ کرتے ہیں۔" ایپرن اتار کر شیریں باہر نکل گئی تھی۔ صائمہ بھی ایک نگاہ تمام لوازمات پر ڈال کر تسلی کرتے اسکے ساتھ آ بیٹھی تھیں۔

"میری بیٹی کا اتنا سا منہ نکل آیا ہے۔ آج نظر اتاروں گی تمہاری۔ کسی کی نظر بد ہی لگی ہے جو بخار پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہا۔" اسکا چہرہ ہولے سے تھپتھپاتے ہوئے وہ ممتا بھری فکر مندی سے کہہ رہی تھیں۔

"اب کیا اتاریں گی امی۔ میسم عبّاس نامی نظر بد چمٹ گئی تو ہے مجھ سے اب کچھ نہیں ہونے والا۔"

اس نے کلس کر سوچا تھا مگر کچھ کہا نہیں تھا بس ہولے سے مسکرا کر گلاس لبوں سے لگا لیا تھا۔

. . . .

امی کے اصرار اور شیریں کی زبردستی پر وہ تیار ہوئی تھی۔ سارا دن وہ نیچے والے پورشن میں رہی تھی۔ اس کو دیکھنے آنے والی محلے کی آنٹیاں آج سے پہلے اسے اتنی پیاری کبھی نہیں لگی تھیں۔ ان کے سامنے اسکی خوش اخلاقی اپنے عروج پر تھی جنکی وجہ سے اسے نجات حاصل تھی۔ اسے ایک بار بھی کمرے میں جانا نہیں پڑا تھا۔ میسم سے سامنا دوبارہ اسکا لنچ کرتے ہوئے ڈائینگ ٹیبل پر ہوا تھا۔ ہمیشہ کی طرح خموشی سے سر جھکائے کھانے میں مگن۔ اسکے پہلو میں بیٹھتے ہوئے حلق سے نوالہ مشکل سے اتر رہا تھا مگر اب وہ ساری عمر بھوکی تو رہ نہیں سکتی تھی یہی سوچ کر اس نے خود کو ڈٹ کر کھانا کھانے پر مجبور کیا تھا۔

"امی میں بیٹھ بیٹھ کر تھک گئی ہوں۔ دوا لے کر تھوڑی دیر آرام کروں گی۔ اگر کوئی ملنے آیا تو بے شک اٹھا دیجیئے گا۔ میں نیچے اپنے کمرے میں ہی ہوں۔" کچن میں جھا نکتے برتن سنبھالتی صائمہ سے کہتے آخری بات پر کن اکھیوں سے اس نے انکے تاثرات دیکھنے چاہے تھے مگر وہ مصروف سے انداز میں سر ہلا گئیں تو وہ بھی جھٹ وہاں سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف بھاگی تھی۔ سیڑھیاں اترتے صفوان کا ہاتھ تھامے میسم سے اسکا ٹکراؤ ہوتے ہوتے بچا تھا۔ جسے دیکھ کر آنکھوں میں نامعلوم سی سرد مہری نے جنم لیا تھا۔ میسم ٹھٹکا تھا وہ غصہ کرتی تھی ناگواری کا بڑا واضح اظہار کرنے کی عادی تھی مگر

اس لمحے اس کی آنکھوں میں کچھ عجیب تھا۔اس نے ان آنکھوں کے یہ رنگ پہلے بھی کہیں دیکھے تھے۔دماغ میں جھماکہ سا ہوا تھا۔پچھلی بار علی کی آمد پر صفا کے ساتھ موجود ہونے پر بھی اس نے کچھ ایسا ہی رد عمل دیا تھا۔مگر اسکی وجہ کیا تھی وہ جاننے سے قاصر تھا۔وہ خموشی سے آگے بڑھ گئی تھی۔پھر دو قدم بعد رک گئی۔مڑ کر مسکراتے ہوئے صفوان کی جانب دیکھا تھا جو میسم کے ساتھ آگے بڑھتا شاید کہیں باہر جانے کی تیاری میں تھا۔

"صفوان پھپھو نے آپ کے لئے چاکلیٹ رکھی ہے آپ کو چاہیے؟"

صفوان کی آنکھیں چمکی تھیں وہ میسم کا ہاتھ چھوڑتا اسکی طرف بھاگا تھا۔شانزے نے جتاتی ہوئی چھبتی نظروں سے سامنے کھڑے میسم کو دیکھا تھا۔اور پھر صفوان کا ہاتھ تھام کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

وہ کچھ دیر وہیں بت بنا کھڑا اسکے اس عجیب وغریب رویے کی منطق سمجھنے کی کوشش کرتا رہا تھا پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا تھا۔

شام ولیمے کا فنکشن تھا۔پورے وقت وہ سبرینہ کو امید بھری نظروں سے دیکھتی رہی تھی وہ اس کے پاس آئے گی۔اور وہ آئی بھی تھی۔میسم کے اسٹیج پر سے ہٹتے ہی وہ اسکے پاس آکر بیٹھی تھی۔

Zubinovelsone.com
NEW ERA MAGAZINE Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"سبرینہ آپی ابھی تک ناراض ہیں؟" گرے اور کہیں کہیں بلیو رنگ کی میکسی میں وہ خوب صورت مگر اداس لگتی تھی۔

"تمہیں میری ناراضگی کی پرواہ ہی کب ہے شانزے؟" وہ بلیک ساڑھی میں ملبوس خوب صورت چہرے پر کچھ کچھ خفگی لئے شکوہ کر رہی تھی۔ شانزے کچھ دیر کے لیے بھول گئی تھی وہ کہاں بیٹھی ہوئی ہے۔ بہن کا ہاتھ تھامتے وہ بے چین ہوئی تھی۔

"مجھے پرواہ کیوں نہیں ہوگی آپی۔ میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں آپ پہلی بار یوں اتنی دیر کے لیے مجھ سے ناراض ہوئی ہیں۔ اور دیکھیں ٹینشن کے مارے میری طبیعت ہی ٹھیک نہیں ہو رہی۔ آئی ایم سوری پلیز معاف کر دیں۔" پلکیں بھیگنے لگی تھیں۔ سبرینہ کو بھی اس پر ترس آنے لگا تھا۔ مسکرا کر اسے گلے لگایا تھا۔ شانزے کو جیسے سکوں سا میسر ہوا۔

"میں ناراض نہیں ہوں پاگل بس غصہ تھی۔ تم بھی جانتی ہو میں تم سے کتنا پیار کرتی ہوں ایسے میں تم جان بوجھ کر کنویں میں چھلانگ لگاؤ گی تو کیا میں خفا بھی نہ ہوں۔" اسکے کان کے قریب وہ کہہ رہی تھی۔ بھاری دل کے باوجود شانزے مسکرا دی تھی۔ سبرینہ کی ناراضگی ختم ہو چکی تھی اور یہ اس کے لئے ایک بڑے ریلیف جیسا تھا۔

"پیاری لگ رہی ہو۔" بلاآخر اس سے الگ ہوتے اسے خیال آ ہی گیا تھا۔ شانزے کے ہونٹوں کی مسکان کچھ اور گہری ہوئی تھی۔

"تم خوش ہو؟" وہ جانچتی نظروں سے بہن کا چہرہ کھوج رہی تھی جہاں اک سایہ سا آکر منڈلایا تھا۔

"پتہ نہیں؟" اسکی آواز دھیمی تھی۔

"میسم نے کچھ کہا تو نہیں تم سے؟۔" ارد گرد اسٹیج سے نیچے لوگوں پر نظر دوڑاتے صائمہ کی خود پر نظریں محسوس کر وہ رسمی سا مسکرائی تھی۔

"نہیں۔" سر نفی میں ہلاتے اسے یاد آیا اس نے اسے کچھ کہنے کا موقع دیا ہی کب تھا۔

"اچھا سنو۔ اس سے ڈرنے ورنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی زیادہ پتی ورتا عورت بن کر اسکا پہلے سے خراب دماغ اور خراب کرنے کی۔ ڈرو گی تو اسے اور شے ملے گی۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا تاکہ اسے بھی پتہ چلے اس بار اسکا پالا کسی بے بس و مظلوم لڑکی سے نہیں پڑا۔ ایک بار جو تم اسکے سامنے دب گئی نا تو اسکے اندر کے تسلط پسند مرد نے تمہارا جینا حرام کر دینا ہے۔" کاٹ دار نظریں سامنے سے آتے میسم عباس پر جمی ہوئی تھیں جو دھیما سا مسکراتے ہوئے شیریں کی بات سنتا اسٹیج کی طرف آرہا تھا ۔ وہ شاید اسے اسٹیج سے اترنے پر سنا رہی تھی۔ شانزے نے بہن کا سنجیدہ چہرہ دیکھا تھا

اور اسکا لفظ لفظ گرہ سے باندھ لیا۔اور یہ تو سچ تھا اسکے کہے الفاظ اس پر بڑا گہرا اثر چھوڑتے تھے۔ سبرینہ کو شانزے کی سوچوں کا رخ موڑنا آتا تھا۔ پچھلی بار کی ہوئی گفتگو نے اسکے دل میں میسم کا خوف بھر دیا تھا۔اس بار بہن کے ذرا سے التفات اور اچھے موڈ میں کی گئی چند نصیحتوں نے اس کے دل سے وہ سارا خوف اکھاڑ پھینکا تھا۔ میسم کے قریب آنے پر سبرینہ غیر محسوس انداز میں نیچے اتر آئی تھی۔ وہ ایک بار پھر سے اسکے پہلو میں آبیٹھا تھا۔ شانزے نے اگر اسے نظر انداز کیا ہوا تھا تو بے نیازی اسکی بھی عروج پر تھی۔اسے بلانے یا اس سے بات کرنے کی زحمت میسم عبّاس نے بھی گوارہ نہیں کی تھی۔

. . . .

.

اس کے کمرے میں آنے سے پہلے ہی وہ چینج کر چکی تھی۔اسکی موجودگی جان کر بھی اس نے صرف ایک بار سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا پھر ہاتھوں پر مؤسچرائزر لگانے کا اپنا شغل جاری رکھا تھا۔اپنا گرے کوٹ اتار کر اب وہ ٹائی ڈھیلی کرتا وہیں صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔جوتے اتارتے ہوئے اس نے شانزے کو بیڈ کی جانب بڑھتا دیکھا تھا۔وہ آج بھی اسکی سائیڈ ہی آئی تھی۔

"یہ میری سائیڈ ہے شانزے۔ تم دوسری طرف لیٹ جاؤ۔" کل رات بھی وہ بے آرام رہا تھا اس لئے جھک کر جوتے اتارتے بول اٹھا۔

"مجھے بھی اسی سائیڈ سونے کی عادت ہے۔" بنا اسکی طرف دیکھے وہ بے خوفی سے کہتی کمبل کھول رہی تھی۔

میسم کی نظروں کی بے اختیاری بڑی واضح تھی۔ وہ کل والی شانزے سے بالکل الگ کوئی شانزے معلوم ہوتی تھی۔ مضبوط سی، بے خوف اور کسی حد تک خود سر بھی۔ وہ چپ کر گیا تھا۔

واش روم سے واپس آتے کمرے کی لائٹس آف کر کے وہ بیڈ کی جانب آیا تھا۔ بستر پر بیٹھتے نیم اندھیرے میں اس باڑ کو دیکھا جو کشنز کی مدد سے بیڈ کے درمیان بنائی گئی تھی

۔

"یہ کیا ہے؟" وہ جاگ رہی تھی اسکی آواز پر سر اٹھائے، بنا اسکی طرف مڑے وہ گردن ترچھی کیے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"کشنز ہیں آپ کے ہی بیڈ روم کے ہیں۔ پہلے نہیں دیکھے آپ نے؟" بڑی معصومیت کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔ میسم نے ابرو اچکا کر اسکے انداز ملاحظہ کیے۔

"دیکھے ہیں مگر اس سب کا مقصد؟"

"مقصد بڑا واضح ہے میسم بھا۔۔۔۔" کہتے کہتے اسکی زبان کو بریک لگی تھی۔ میسم کے ماتھے پر آئی اسکی برق رفتاری کے سبب شکن بھی اس احتیاط پر مٹنے لگی تھی۔ وہ جھٹ سے اٹھ کر بیٹھی تھی۔ رخ اسکی طرف کیے اسے تیکھے پن سے گھورا۔

"آپ زبردستی میرے سر پر منڈھ دیے گئے ہیں۔ مجھے آپ سے شادی نہیں کرنی تھی۔ مگر ابو کے کہنے پر کرنی پڑی۔ اور یہ سب ہوا آپ کی وجہ سے۔۔۔۔ آپ ہی نے پتہ نہیں کون سا کالا جادو پڑھ کر پھونک ماری ہے ان پر جو انہیں اپنی معصوم سی بیٹی کا ذرا خیال نہیں آیا۔ لے دے کر جلاد نما آدمی کے سامنے ڈال دیا۔ لیکن میں بتا رہی ہوں میں ڈرتی ورتی نہیں ہوں آپ سے۔ کل تو بس میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس لئے یہ مت سمجھیے گا مجھے آپکا کوئی خوف تھا۔ شادی تو میں نے جیسے تیسے کر لی ہے مگر اب اگر آپ نے میری مجبوری سے فائدہ اٹھا کر زیادہ میرا شوہر بننے کی کوشش کی تو بالکل اچھا نہیں ہوگا۔" تنے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ تنک کر بولتی چلی گئی تھی۔ میسم سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے بولتا سن رہا تھا۔ اتنا تو وہ بھی جانتا تھا وہ اس شادی سے خوش نہیں ہے مگر اتنے بچپنے کی بھی اسے اس سے امید نہیں تھی۔ صائمہ چاچی کی کی گئی درخواست اسکی تیز تیز چلتی زبان کے جوہر دیکھنے کے بعد صحیح معنوں میں سمجھ آئی تھی۔

"اور کچھ ؟" اتنی لمبی تقریر کے بعد اسکے بڑے آرام سے کہے مختصر سے اس فقرے نے اسے چند پلوں کے لئے متعجب تو ضرور کیا تھا۔ بدلے میں اسے لگا تھا وہ اس پر چینخے گا چلائے گا۔ ہو سکتا تھا اسے بے عزت بھی کرتا اور اس سب کے لئے وہ ذہنی طور پر تیار تھی مگر اس نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا۔ وہ حیران تھی۔

اپنی بے یقینی پر قابو پاتے وہ سر نفی میں ہلا گئی تھی۔ میسم نے اسے دیکھ کر منطقی انداز میں سر کو ہلایا۔

کوشش کرنا اپنی بنائی ہوئی سرحد کے اس پار آنے سے گریز کرنا اور نہ نتائج کی ذمہ داری میں بالکل قبول نہیں کروں گا۔ اب تم سو جاؤ۔ تم نہ سہی تمہاری زبان ضرور تھک گئی ہو گی۔" کروٹ کے بل لیٹتے ہوئے وہ کمبل خود پر ٹھیک کرتا اپنی طرف کے لیمپ کی روشنی اور بھی دھیمی کر گیا تھا۔

شانزے نے لب کاٹتے پر سوچ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

اسکے اس قدر کھلے لفظوں میں ناپسندیدگی کے اظہار کے باوجود وہ اتنا پر سکون کیسے رہ سکتا تھا؟

"وہ جو نظر آتا ہے نا شانزے وہ ہے نہیں؟ اس نے فریحہ کو کتنا ٹارچر کیا مگر کسی کو کانوں کان خبر تک نہیں ہونے دی تھی۔ کتنا معصوم بنا پھر تا رہا تھا۔ بنیادی طور پر وہ چھپ کر

وار کرنے والوں میں سے ہے۔سب کے سامنے اچھا بننے کا ڈھونگ رچائے وہ اپنی اصلیت سامنے تک نہیں آنے دیتا مگر اپنی فطرت بدل بھی نہیں سکتا۔ورنہ پہلی کے بعد دوسری شادی کیوں ناکام ہوتی؟کیا اسکی زندگی میں آنے والی عورتوں کی ہی ساری غلطی ہوتی ہے؟اس لئے اسکی زندگی کا حصہ بننے سے پہلے خود کو ہر لحاظ سے پوری طرح تیار رکھنا۔ہوں؟"

سبرینہ کے الفاظ اسکے قریب ہی کہیں گونجے تھے۔بے یقینی کی جگہ ناگواری نے لے لی تھی۔اسکی پشت پر ایک سخت نگاہ ڈال کر وہ جھٹکے سے لیٹ گئی تھی۔

"تو آپ اب ڈبل گیم کھیل رہے ہیں۔اچھا بننے کی بہترین اداکاری۔مگر فطرت تو نہیں بدلتی۔میں بھی دیکھتی ہوں کب تک ایسے ڈھونگ رچائے رکھتے ہیں آپ۔ایک نہ ایک دن آپ کے اس معصوم چہرے کے پیچھے چھپے شیطان کو سب کے سامنے لا کر ہی دم لوں گی میں۔دیکھ لوں گی میں آپ کو۔ہائے میری تو زندگی برباد کر کے رکھ دی لیکن سکون سے میں آپ کو بھی نہیں رہنے دوں گی۔شانزے محمود کو ہلکا لیا ہے آپ نے ۔"آنکھیں بند کیے بھی وہ ذہن میں چلتی سوچوں کی کھڑکیاں بند کرنے میں ناکام رہی تھی۔اسے ایک بار پھر خود سے ہمدردی اور میسم سے بے پناہ نفرت محسوس ہوئی تھی۔

. . . .

علی اور شیریں کی واپسی پر سجاد آفندی بھی انکے ساتھ ہی چلے گئے تھے۔ جانے سے پہلے شیریں نے اسے میسم کے ساتھ کراچی آنے کا خاص طور پر اصرار کیا تھا۔اس نے سب کے سامنے تو خوش دلی سے ہامی بھر لی تھی مگر ایسا کرنے کا اسکا کوئی ارادہ نہیں تھی ۔پچھلی بار یونی آف ہونے پر وہ کراچی گئی تھی اور علی اور شیریں نے اسے پورا کراچی گھما ڈالا تھا۔اسے مزہ بھی بہت آیا تھا مگر میسم کے ساتھ جانے کا سوچ کر ہی اسکا حلق کڑوا ہو گیا تھا۔ لہذا اسکا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

میسم کی آفس سے لی چھٹیاں ختم ہوئیں تو اس نے سکھ کا سانس لیا تھا۔کم از کم اب دن کا ایک بڑا حصہ وہ اسے نظر نہیں آتا تھا۔ محمود آفندی اسے اپنے ہی گھر میں چلتے پھرتے دیکھ خوشی سے نہال ہو اٹھتے تھے۔وہ ہمیشہ انکے قریب رہے گی یہ احساس کس قدر تقویت بخش تھا۔

صبح وہ نیچے آتی تو پھر پورا دن وہ اوپر والے پورشن میں نہیں جاتی تھی۔اوپر کمرے میں بھی بوقت ضرورت اسکی آمد ہوتی تھی ورنہ دن کے وقت کے لئے اس نے اپنا نیچے والا کمرہ ابھی بھی آباد کر رکھا تھا۔جو دوپہر کو سونے کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا اوپر والے کمرے میں وہ رات کو بھی بے دلی سے جاتی تھی وہ بھی عشاء کی نماز پڑھ کر وہ بھی صائمہ

کے احساس دلانے پر۔ ورنہ اسکے بس میں ہو تو وہ رات کو بھی اپنے کمرے میں سوئی پڑی ملے ۔ دن کو نیچے سونے پر صائمہ نے ایک دو بار اسے ٹوکا تو محمود آفندی نے انہیں روک دیا تھا۔ انہیں اس میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ وہ تو خوش ہوتے تھے انکی بیٹی بیاہ کر بھی ہر وقت اسی گھر میں موجود ہوتی ہے کچھ بدلا نہیں تھا۔ سب پہلے جیسا ہی تو تھا۔

صائمہ نے شوہر کی سپورٹ دیکھ کر چپ سادھ لی تھی۔ اور اس بات سے کہیں نہ کہیں شانزے کو شے ملی تھی۔

دوسری طرف میسم تھا جس نے اسے حقیقی معنوں میں اپنے حال پر چھوڑ رکھا تھا۔ وہ کیا کرتی ہے کیا نہیں؟ کب سوتی ہے کب اٹھتی ہے؟ اسے اس سے کوئی سروکار نہیں تھا ۔ صائمہ اور محمود کے سامنے وہ اس سے بات کر لیا کرتا تھا مگر کمرے کے اندر انکی بات چیت انتہائی ضرورت کے وقت ہوتی تھی۔

"میسم نیچے نہیں آیا ابھی تک۔ آفس کا ٹائم ہونے والا ہے۔ ناشتہ کب کرے گا؟ تم دیکھ آؤ جا کر۔" کچن میں موجود دیوار پر لگی گھڑی دیکھ کر صائمہ نے اس سے کہا تھا۔

"آجائیں گے جب جاگیں گے ماما۔ روز خود ہی تو آتے ہیں۔" لٹھ مار انداز میں اس نے فرائی پین کے نیچے سے برنر بند کیا۔

"وہ تمہارا ہی شوہر ہے نا یا پڑوس میں سے کسی کا ادھار مانگ لائی ہو؟" خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تو شانزے گڑبڑا سی گئی۔

"کیا ماما اب ہر وقت شوہر کے سر پر سوار رہا کروں کیا؟ بندے کی اپنی بھی کوئی سپیس ہوتی ہے۔" اس نے منہ بنایا تھا۔

"ہر وقت کا کہا کس نے ہے۔ مگر کبھی کبھار تو ہو جایا کرو۔ تمہیں تو کوئی فکر ہی نہیں ہوتی شوہر کب آتا ہے کب جاتا ہے؟ کیا کھاتا ہے کیا نہیں؟ دیکھ رہی ہوں تمہاری لاپرواہیاں سبھی میں۔ بچہ کچھ بولتا نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے میں بھی خاموش رہوں گی۔" آواز ذرا کم رکھتے وہ خوب اسکی کلاس لے رہی تھیں۔ اتنے دنوں سے خموشی سے جو سب دیکھ رہی تھیں۔ اسکی باز پرس کرنا لازمی تھا۔ ورنہ انہیں ڈر تھا شانزے اپنی نادانیوں کی وجہ سے کچھ گڑبڑ ہی نہ کر دے۔ نئے نئے رشتے کی ڈور تھی ایک بار الجھ جاتی تو پھر گرہیں کھولنے میں کبھی صدیاں وقف ہو جاتی ہیں تو کبھی ساری عمریں۔

"ایک تو امی مجھے آپ کی سمجھ نہیں لگتی کس اینگل سے آپ کو وہ بچے لگتے ہیں دو چار سال میں پورے سر کے بال تو سفید ہو جائیں گے ان کے۔ اب اس عمر میں بچہ کہہ کہہ کر انہیں دودھ پیتا بچہ تو نہ سمجھیں آپ۔" نل کے نیچے ہاتھ دھوتے کوفت سے سر

جھٹک کر کہتے جو ہی وہ پلٹی صائمہ کو تیکھے انداز میں خود کو گھورتا پایا۔اسکی چلتی زبان کو بریک لگی تھی۔

"ابھی کیا کہہ رہی تھی تم۔"پہلو پر ایک ہاتھ رکھے دوسرا اکاؤنٹر پر جمائے وہ دانت پیس کر رہ گئیں۔

"میں تو بس یہی کہہ رہی تھی کہ میں دیکھ کر آتی ہوں ابھی تک آئے کیوں نہیں ؟""اس نے سرپٹ دوڑ لگائی تھی۔صائمہ نے بیٹی کو جاتے جاتے بھی گھورا تھا۔

تن فن کرتے ٹھاہ کی آواز سے دروازہ کھلا تھا۔ایسے میں قبر کے مردے بھی جاگ جاتے وہ تو پھر صرف سو ہی رہا تھا۔

بوکھلا کر سر اٹھاتے میسم نے ارد گرد دیکھا تھا جب دروازے کے فریم میں ایستادہ بگڑے موڈ کے ساتھ وہ کھڑی تھی۔اس نے سر ایک بار پھر سرہانے پر گرا دیا تھا۔

شانزے نے آگے بڑھ کر کھڑکی کے پردے ہٹا دیے تھے چھن کر آتی دھوپ سیدھی اسکے چہرے پر پڑی تھی۔بدمزگی سے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا جو اب ہاتھ سینے پر باندھے اس سے ذرا فاصلے پر کھڑی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"اٹھ جائیں اب۔آپ کی ساس صاحبہ کو فکر لاحق ہو گئی ہے آپ آفس سے لیٹ ہو جائیں گے۔"پھولے منہ سے کہتے اس نے نظریں اس پر سے پھیر لی تھیں۔

"میں آج آفس نہیں جارہا۔آئی ڈی کارڈری نیو کروانا ہے۔"اٹھ کر بیٹھتے اس نے سر کے بالوں میں ہاتھ چلایا تھا۔

"تو یہ بات آپ پہلے بھی بتا سکتے تھے۔"اسے تیوری چڑھی۔

"تم نے پہلے پوچھا کب تھا جو بتاتا۔"بستر سے نکلتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔شانزے نے بے ساختہ اس سے فاصلہ بڑھانے کو دو قدم پیچھے لئے تھے۔

"ویسے خیر سے آج تم نے میرے ہوتے ہوئے کمرے میں جھانکنے کی زحمت کیسے گوارا کرلی؟"وہ سادہ سے انداز میں پوچھ رہا تھا بنا کسی طنز کے۔مگر شانزے کو بری طرح چھبا تھا۔

"آج کا دن ہی برا ہے پہلے امی سے سنی اب گونگے بھی بول اٹھے ہیں۔"میسم نے آنکھیں چھوٹی کیے نا سمجھی سے اسے دیکھا تھا اسے شاید نہیں یقیناً بڑابڑانے کی عادت تھی۔

"کیا کہہ رہی ہو؟"

"کچھ نہیں کہہ رہی۔اٹھ گئے ہیں اب تو نیچے ناشتے کی ٹیبل تک تشریف لے آیئے۔میری والدہ ماجدہ آپ کے آنے سے پہلے ہم غریبوں کو بھی ناشتے جیسی نعمت سے فیض یاب نہیں ہونے دیتی۔بھوک سے برا حال ہو رہا ہے اب۔"اسکے جلے کٹے انداز

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews
Zubinovelszone.com

پر وہ سر ہلاتا واش روم کی جانب چلا گیا تھا۔ کمبل تہہ کرنے اور بستر ٹھیک کرنے کے بعد وہ کچھ دیر یوں ہی بلا مقصد ٹیرس کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی۔ اب اسکے بغیر جا کر ایک بار پھر سے انکے عتاب کا نشانہ بننے سے بہتر تھا وہ کچھ دیر رک کر اسکے ساتھ ہی نیچے جاتی۔ کمرے میں واپس آ کر جھانکا تو وہ ڈریسنگ کے سامنے کھڑا خود پر کلون چھڑک رہا تھا۔ شیشی واپس رکھ کر اس نے حسب عادت اوپر ڈھکن لگانے کا تردد نہیں کیا تھا۔ وہ مڑا تھا جب دروازے میں سے وہ اندر آتی نظر آئی تھی۔

"یہ ڈریسنگ ٹیبل کی چیزیں ترتیب سے رکھا کریں آپ۔ بندہ کم از کم کیپ تو لگا دیتا ہے وہ یوں ہی یہاں وہاں لڑھکتے رہتے ہیں۔ آج کے بعد میں بھی نہیں کروں گی۔" وہ روز اسکے جانے کے بعد یہ فریضہ خود سر انجام دیا کرتی تھی۔

میسم نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا پھر ڈریسنگ کو۔

"کوئی بات نہیں مجھے تو ایسے بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ آسانی رہتی ہے۔" وہ ہنوز پر سکون سا بولا تھا۔

"لیکن مجھے مسئلہ ہوتا ہے اور یہ پھیلاوا سمیٹتے ہوئے اگر کسی دن میرا ہاتھ یا دوپٹہ بے دھیانی میں لگ گیا اور آپ کے یہ مہنگے مہنگے امپورٹڈ پرفیومز زمین بوس ہو کر ٹوٹ گئے تو مجھ سے گلہ مت کیجیے گا۔ باقی مرضی ہے آپ کی۔" اسی کے انداز میں اپنی عادت سے

ہٹ کر بنا منہ بنائے وہ بڑی معصومیت سے بتاتی ایک مسکراہٹ اسکی جانب اچھال کر باہر نکل گئی تھی۔ میسم کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔اس نے اسکی بڑے دھیان سے کی جانے والی بے دھیانی کا مظاہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رکھا تھا۔اس شو پیس کے ٹوٹنے کا نظارہ اسکی آنکھوں کے سامنے لہرایا تھا۔ایک جھرجھری سی لے کر وہ واپس آیا تھا ۔ڈھکن لگاتے کلون اور باڈی اسپرے کی ترتیب ٹھیک کی تھی۔اطمینان کرتے ایک نظر ڈال کر پھر باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

. . . .

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews
Zubinovelszone.com

گاڑی کی رفتار تو تیز تھی مگر شانزے کو بڑی سست سی معلوم ہو رہی تھی۔بے زاری سے باہر دوڑتے مناظر دیکھتے وہ اکتائی ہوئی سی لگتی تھی جب اچانک کچھ یاد آنے پر اس کی جانب نگاہ کی تھی جو سنجیدگی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔وائٹ شرٹ کے ساتھ بلیو جینز اور آنکھوں پر اوشن بلیو شیڈز چڑھائے وہ ایک نظر ٹھہر کر خود کو دیکھنے کی دعوت دیتا تھا۔چہرے پر سجی رہنے والی ہمہ وقت سنجیدگی اسے بارعب بناتی تھی۔سلیقے سے بنے بالوں میں کنپٹی کے قریب سے جھانکتے چند گرے بال اسکے وقار میں اضافہ کرتے تھے۔یہ پہلی بار تھا جب شانزے نے اتنے قریب سے بغور اس کا جائزہ لیا تھا

۔لاکھ کدورتوں کے باوجود دل نے اعتراف کیا تھا تھا وہ کم بخت رج کے سوہنا تھا۔ مگر یہ اعتراف دل اسے کچھ خاص بھایا نہیں تھا۔ تبھی جب بولی تو آواز میں جھنجھلاہٹ سی تھی۔

"میں اپنا سر نیم نہیں بدلوں گی۔ نیو آئی ڈی پر بھی شانزے محمود ہی لکھا جائے گا۔"

میسم نے سن کر بس ایک نظر اسکی جانب دیکھا تھا۔

"میں نے کب بدلنے کو کہا ہے؟ نہیں بدلنا تو نہ بدلو۔"

اس نے جس بے نیازی سے کندھے اچکے تھے شانزے کو خود بھی اپنی بات بے وزن لگی تھی۔

"بس ایک احسان کر دینا۔ شوہر کے نام کے آگے میرا نام لکھوالینا۔ اب تمہارے سر اگر منڈھ ہی دیا گیا ہوں تو آئی ڈی پر بھی میرے نام کا بوجھ اٹھالینا۔" وہ شاید طنز کر رہا تھا۔ شانزے اسے کچھ سخت کہنے ہی والی تھی جب سڑک کنارے بڑا خوبصورت سا روئی کے گالے جیسا سفید رنگ بلی کا بچہ دیکھ کر اس نے کھڑکی سے باہر سر نکال کر پیچھے دیکھا تھا۔

"گاڑی روکیں پلیز۔" وہ یک دم جس انداز میں چینخی تھی میسم کا پاؤں برق رفتاری سے بریک پر پڑا تھا۔ گاڑی ایک جھٹکا کھا کر رکی تھی۔

"کیا ہوا؟"سٹیرنگ پر ہاتھ جمائے ہی میسم نے پریشانی سے اسکی طرف دیکھا تھا۔

"وہاں پیچھے بلی کا بچہ ہے بڑا کیوٹ ہے۔"خوشی سے لبریز آواز میں اس نے کہتے دروازہ کھولنا چاہا تھا جب میسم نے ضبط کھوتے اسے سخت نظروں سے گھورا تھا۔اسکی چیخ پر وہ ڈر گیا تھا کہیں اسکا دوپٹہ دروازے سے باہر نہ رہ گیا ہو اور خدانخواستہ وہیل میں آ گیا ہو

۔

"پاگل عورت!اس لئے چلائی تھی تم۔"اسے کوفت ہوئی تھی۔

دروازہ کھولتا شانزے کا ہاتھ ساکن ہوا تھا وہ غصے سے بھری آنکھوں کے ساتھ اسکی جانب پلٹی تھی۔

"عورت کسے کہا ہے آپ نے؟"ناگواری بھری آواز میں وہ بولی تھی۔میسم نے تاسف سے اسکی طرف دیکھتے سر ہلایا تھا۔

"میں نے پاگل بھی کہا ہے۔تمہارے لیے قابل گرفت بات یہ ہونی چاہیے تھی مگر تمہارے تو دماغی پرزے ہی سارے ہلے ہوئے ہیں۔"بیچ روڈ پر وہ دونوں بے معنی بحث میں الجھے ہوئے تھے۔

"اس پر ہم بعد میں بات کریں گے پہلے یہ بتائیں کس اینگل سے آپ کو میں عورت لگتی ہوں؟"خونخوار نظروں سے اسے گھورتے ہوئے وہ پوچھ رہی تھی۔بدلے میں میسم

نے اسے شیڈز اتار کر بڑے غور سے دیکھا تھا۔کاپر رنگ کا دھاگے کی کڑھائی والا کرتا اور وائٹ کیپری کے ساتھ ہم رنگ دوپٹہ سر پر لئے،وہ چہرے کی ہلکء گلابی مائل رنگت اور خوب صورت نین نقش لئے اسے گھور رہی تھی۔ میسم نے سر تا پا اسے جن نظروں سے دیکھا تھا شانزے کا جی چاہا وہ اپنے کہے الفاظ پر اپنا سر پیٹ لے۔شرم سے گالوں کا رنگ گلابی مائل سے سرخ ہونے لگا تھا۔

"ہر اینگل سے عورت ہی لگتی ہو۔" بڑی معصومیت اور سنجیدگی سے جواب دیا گیا تھا ۔اس نے رخ موڑ کر اپنی خفت پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔

"جی نہیں میں لڑکی ہوں۔اگلی بار عورت کہنے سے اجتناب کیجئے گا۔" نظریں چرا کر اپنی نروس ہوتی حالت پر قابو پاتے وہ چیخ کر بولی تھی۔اسکی ایک گہری نظر سے ہی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ سی گئی تھیں۔ میسم کا قہقہہ سن کر وہ حیران نظروں سے اسکی طرف دیکھنے لگی تھی۔جو شیڈز ایک ہاتھ میں پکڑے کہنی اسٹئیرنگ پر جمائے ہوئے گردن پیچھے کی جانب پھینک کر دل کھول کر ہنسا تھا۔شانزے نے کسی ٹرانس کی سی کیفیت میں اسے پہلی باریوں کھلکھلا کر ہنستے دیکھا تھا ورنہ اسکے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ بھی بھولے بسرے سے نمودار ہوتی تھی۔ نظریں چراتے ہوئے اس نے سوچا تھا اچھا ہی تھا جو وہ کم کم ہنستا تھا پھر اپنی سوچ پر خود ہی جھرجھری سی لی تھی۔شاید

اسکے دماغی پرزے واقع ہی ہل سے گئے تھے۔ تبھی وہ اسے دیکھ کر اوٹ پٹانگ سوچ رہی تھی۔

"ایک بات تو بتاؤ یہ تم "عورتوں" کو اپنی جنس سے مسئلہ کیا ہوتا ہے؟ کوئی کمپلیکس ہے کیا؟ عورت کہلوانے پر مزاج یوں برہم کیوں ہونے لگتے ہیں؟ تم کسی بارہ تیرا سالہ بچے کو بھی مرد کہہ کر پکارو گی نا تو فخر سے سینہ ٹھونک کر اترائے گا اور ذرا جو پینتیس چالیس سالہ خاتون کو بھی عورت کہہ دو تو بدلے میں یوں لڑنے کو تیار ہو جاتی ہیں جیسے خدانخواستہ انکی شان میں کوئی گستاخی سرزد کر دی گئی ہو۔ میری مانو تو آج موقع اچھا ہے نادرا والوں کے آفس دھرنا دے کر بیٹھ جانا۔ وہ کیوں جنس کے خانے میں عورت لکھتے ہیں لڑکی بھی تو لکھا جا سکتا ہے۔ کہو اس سے ہم عورتوں اوہ سوری لڑکیوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ اپنی ہمنوا ساری خواتین کو ساتھ ملا کر ایک ملک گیر تحریک چلاؤ کہ حکومت وقت پریشان ہو کر عورت کی جگہ لڑکی کی اصطلاح استعمال کرنے پر مجبور ہو جائے۔" اس جیسے سنجیدہ اور کم گو بندے کے منہ سے اتنی لمبی اور کچھ کچھ مزاح کا رنگ لئے بات سن کر اس کے ہونٹوں پر بھی بڑی دلفریب مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی

۔

"ہم لڑکیاں اس معاملے میں ذرا اچھی ہوتی ہیں۔احتیاط کیا کریں آپ مرد حضرات ۔" کہہ کر وہ باہر نکل گئی تھی یہاں تک کہ وہ اسے روک بھی نہیں پایا تھا۔پاس سے اکا دکا گاڑیاں نکل رہی تھیں۔وہ فٹ پاتھ پر چلتی دور ہوتی جارہی تھی۔ میسم کو بھی گاڑی سے نکل کر اسکے پیچھے جانا پڑا تھا۔اسکے پاس جانے پر بھی اسے لگا تھا وہ بلی کا بچہ اٹھ کر بھاگ جائے گا۔مگر حیرت انگیز طور پر وہ وہیں بیٹھا رہا تھا۔شانزے اسکے پاس بیٹھی تو اس نے احتجاجاً غرا کر اسے اپنے پاس آنے سے باز رکھنا چاہا تھا۔

"شانزے دیر ہورہی ہے؟" ریسٹ واچ دیکھتے ہوئے میسم نے اسے احساس دلانا چاہا تھا ۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews
Zubinovelszone.com

"ایک منٹ۔" ہاتھ بڑھا کر بلی کا بچہ اٹھاتے اسے شدید جھٹکا لگا تھا اسکی پچھلی ٹانگ کا ایک حصہ بری طرح سے گھائل تھا جس کے بل وہ بیٹھی ہوئی تھی تبھی وہ نظر نہیں آرہا تھا۔پنجھے کے اوپر سے گوشت اتر چکا تھا نیچے سے ہڈی نظر آرہی تھی۔اسکا کسی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا شاید۔

"میسم یہ زخمی ہے۔" تڑپ کر اسے دونوں ہاتھوں میں لیتے وہ تیز تیز بولی تھی۔ میسم نے ذرا آگے جھک کر اسے دیکھا تھا۔وہ بلی کا بچہ اب شاید اس سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کررہا تھا تبھی آنکھیں موند کر چپ ہوگیا تھا۔

"پتہ نہیں لوگ گاڑیاں دھیان سے کیوں نہیں ڈرائیو کرتے معصوم جانور کچلے جاتے ہیں انکی لاپرواہیوں کی وجہ سے۔ میرے بس میں ہوتا تو اتنی سخت سزادوں کہ آئندہ ساری زندگی یادرکھیں۔" آنکھوں میں تیرتی نمی کے ساتھ وہ اٹھ کر اسکی طرف مڑتی وہ غم وغصے کا بیک وقت شکار شکوہ کر رہی تھی۔ میسم نے بے یقین نظروں سے اسے دیکھا تھا یہ دوسری بار تھا جب اس نے اپنے پل پل بدلتے رنگوں سے اسے حیران کیا تھا ۔ایک بار جب اس نے اسے شو پیس توڑتے دیکھا تھا تب اور دوسری بار آج۔

"میں اسے ساتھ لے کر جاؤں گی۔" ضدی لہجے میں وہ پوچھ نہیں بتا رہی تھی۔ میسم چونک کر اپنی نگاہ بمشکل اسکے چہرے پر سے ہٹاتا بنا کچھ کہے پلٹ گیا تھا۔ وہ بھی اسے احتیاط سے اٹھائے اس کے پیچھے چل دی تھی۔

نادرا آفس بھی وہ بڑی مشکل سے اسے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال کر جانے پر تیار ہوئی تھی۔ وہاں سے فارغ ہو کر اس نے میسم کو جانوروں کا کوئی کلینک ڈھونڈنے میں خوب خوار کیا تھا۔ بلا آخر بلی کے بچے کی مرہم پٹی اور دوا لے کر وہ لوگ شام کے ڈھلتے سائے کے ساتھ گھر واپس آئے تھے۔ صائمہ اسے بلی کے بچے کے ساتھ دیکھ کر بدک گئی تھیں۔ انہیں کسی صورت اپنے گھر کے اندر کوئی جانور نہیں چاہیے تھا۔

"اچھا میں اسے اپنے گھر میں رکھ لوں گی۔آپ کے گھر نہیں رکھتی۔"منت سماجت کے بعد بھی صائمہ کو رضامند نہ دیکھ کر وہ تنگ کر کہتی اوپر والے پورشن کی جانب بڑھی تھی۔لاؤنج میں بیٹھے محمود آفندی کا بیٹی کا انداز دیکھ کر قہقہہ پڑا تھا۔پاس بیٹھے میسم نے چائے کا کپ لبوں سے لگاتے دلچسپ نظروں سے سارا منظر دیکھا تھا۔

"خبردار شانزے جو اسے اوپر بھی لے کر گئی تم تو۔"صائمہ وہیں سے دھاڑیں۔

"ماما۔"سیڑھیوں پر کھڑی وہ احتجاج کرتی مڑی تھی۔

"ارے بیگم کیوں تنگ کر رہی ہیں میری بیٹی کو۔"بلاآخر بیٹی کی اتری صورت دیکھ کر محمود صاحب نے مداخلت کی تھی۔بیٹی کے چہرے پر کچھ اور بھی مسکینیت ٹپکی تھی۔

"آپ بالکل اسکی حمایت میں مت بولئے گا محمود صاحب۔میں اپنے گھر میں کسی کتے بلے کو برداشت نہیں کروں گی۔یاد ہے نا آپ کو بچپن میں بھی ایسے ہی ایک بلی کا بچہ اٹھا لائی تھی یہ۔اور کیسے وہ سارے گھر میں گند کرتا رہتا تھا۔بس میں نے کہہ دیا تو کہہ دیا۔میرے گھر میں یہ سب نہیں چلے گا۔"انکا انداز بالکل دوٹوک تھا۔محمود آفندی نے بے بسی سے کندھے اچکا کر بیٹی کو دیکھا تھا جس کی مایوس آنکھوں میں کوئی بجلی سی کوندی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے ماما آپ کو اسے گھر کے اندر رکھنے پر اعتراض ہے ناہم اسے باہر لان میں رکھ لیں گے پلیز اب تو مان جائیں۔دیکھیں یہ بے چارہ زخمی بھی ہے کہاں جائے گا ۔آپ اسے اپنے ہاں رہنے کی اجازت دے دیں گی تو آپ کو دعائیں ہی دے گا پلیز میری پیاری ماما۔"

اس کے لجاحت بھرے انداز پر صائمہ نے ہار مانتے اسے دیکھا تھا۔

"ایک نمبر کی ڈھیٹ ہو تم۔کرو جو کرنا ہے مگر اگر یہ گھر کے اندر مجھے دکھائی دیا تو اسی وقت میں اسے گھر سے باہر پھینک آؤں گی۔"اسے وارننگ دیتے ہوئے وہ وہاں سے چلی گئی تھیں۔

"بلے بھئی بلے۔ہم ہوگئے کامیاب۔"انکے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی اس نے بھنگڑے کے سے انداز میں ایک ہاتھ ہوا میں لہراتے،دوسرے میں نیا مہمان تھامے شرارت بھری فاتحانہ مسکراہٹ محمود آفندی کی جانب اچھالی تھی جو خود بھی ہنس رہے تھے۔

خود میں مگن اسکی نگاہ اپنی جانب پر شوق نظروں سے دیکھتے میسم پر پڑی تھی جو بڑی فرصت سے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔خفیف سی ہو کر وہ ہوا میں بلند ہاتھ پہلو میں گرا گئی تھی۔

میں اس کے ٹھکانے کا کچھ بندوبست کرلوں۔" محمود آفندی سے کہتے ہوئے وہ اسے نظرانداز کرتے باہر کی جانب بڑھ گئی تھی۔اس شام اس نے کچن کا کوئی بھی کام کرنے سے صاف انکار کردیا تھا۔رات ہونے سے پہلے وہ اس نئے مہمان کے لئے گھر کے لان میں دیوار کے ساتھ چھوٹا سا آشیانہ بنانے میں کامیاب ہوچکی تھی۔

. . . .

.

موسم بدل رہا تھا لہذا اس دن صبح صبح ہی سبرینہ آگئی تھی۔انہیں شاپنگ کے لئے جانا تھا ۔صائمہ نے صاف انکار کردیا تھا جانے سے۔ایسے میں وہ دونوں بہنیں صبح دس بجے کی جو نکلی تھیں تو شام کو واپس گھر لوٹی تھیں۔وہیں لاؤنج میں شاپنگ بیگز رکھے وہ اب اب خریداری صائمہ کو دکھا رہی تھیں۔ محمود آفندی گھر پر نہیں تھے۔ سبرینہ نے اپنے اور شایان کے لئے بہت کچھ لیا تھا وہیں ماں باپ کے لئے بھی گرم شال اور سوئیٹر لیا تھا ۔شانزے نے بھی ان دونوں کے لئے کپڑے لئے تھے۔اپنے لئے بھی سردیوں کی مناسبت سے اس نے کافی چیزیں لی تھیں۔

"میسم کے لئے بھی کچھ لے آتی شانزے ؟" انکی لائی ہر چیز دیکھنے کے بعد انہوں نے نرمی سے کہا تھا تو سبرینہ یکسر لاتعلق بن گئی تھی۔ شانزے نے چیزیں سمیٹتے ہاتھ روک کر ہونق پن سے ماں کی جانب دیکھا تھا۔

"وہ۔۔۔ مجھے آئیڈیا نہیں تھا امی انہیں کیا پسند آئے گا کیا نہیں اس لئے کچھ نہیں لیا ۔" نظریں چرا کر جھوٹ بولا تھا حالانکہ اسے ایک بار بھی وہاں چیزیں خریدتے اسکا خیال نہیں آیا تھا۔ حتی کہ شایان کی چیزیں خریدتے سبرینہ جب اسکی رائے لیتی تو بھی اسکا دھیان میسم کی طرف نہیں گیا تھا۔

"تو بیٹا اپنی پسند سے ہی کچھ لے آتی۔ سبرینہ تم ہی بہن کو کہہ دیتی بیٹا۔" انکے ایک دم سے کہنے پر سبرینہ نے برا سا منہ بنایا تھا۔

"اب ماما میں کیا کہتی۔ اسکا شوہر ہے اسے کچھ لینا ہوتا تو خود لے لیتی۔" کندھے اچکا کر لاپرواہی سے کہتے اس نے بات ہی ختم کر دی تھی۔ تبھی میسم اندر آتا دکھائی دیا تھا ۔انکے پاس سے گزرتے سلام کیا تھا۔ ایک سرسری سی نظر اس پھیلاوے پر ڈالی تھی۔

"وعلیکم سلام جیتے رہو۔ آ گئے بیٹا۔" صائمہ کی خوش مزاجی اس سے بات کرتے دیکھنے لائق ہوتی تھی۔ انکے لب و لہجے میں اس کے لئے کتنی اپنائیت ہوتی تھی گود میں رکھے جوڑے پر سے نظر اٹھا کر سبرینہ نے کلس کر ماں کو دیکھا تھا۔

"جی۔" ہلکا سا مسکراتا وہ اوپر کی جانب چلا گیا تھا۔

"اس کا کلر اچھا ہے۔" سبرینہ سر جھٹک کر دوبارہ اپنے شغل میں مصروف ہوتی شانزے سے کہہ رہی تھی اور وہ اسکے ہاتھ میں پکڑے کپڑوں کو دیکھ کر کچھ کہہ رہی تھی۔ صائمہ نے بڑی مشکل سے ضبط کرتے بیٹی کو دیکھا تھا۔ کچھ دیر انتظار کیا تھا مگر پھر انہیں بولنا پڑا تھا۔

"شانزے میسم آیا ہے جاؤ جا کر پہلے اسے دیکھو۔ یہ سب یہی ہے کہیں بھاگا نہیں جا رہا ۔" انہوں نے ذرا سختی دکھائی تھی۔

"تو ماما وہ کون سا کہیں بھاگے جا رہے ہیں۔" سر جھٹک کر بے دھیانی میں اسکے منہ سے نکلا تھا اور اسکے ساتھ ہی سبرینہ کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔ صائمہ کے باری باری دونوں بیٹیوں کو خشمگیں نظروں سے دیکھا۔

"شاباش ہے بیٹا۔ یہ تو حال ہے تمہارا۔ کپڑے کہیں نا جائیں شوہر جاتا ہے تو بھلے جائے ۔اٹھو اب اس سے پہلے کہ میرا دماغ گھومے۔" وہ غصہ ہو رہی تھیں۔

"جا رہی ہوں۔" شانزے نے جھٹ سے اپنی گود سے سارا سامان سائیڈ پر رکھتے مند دلی سے کہا تھا۔

"ماماوہ کوئی بچہ نہیں ہے جو اسکول سے آیا ہے اور شانزے اسکا یونیفارم چینج کروائے گی اور نوالے بنا کر اسکے منہ میں رکھے گی۔" سبرینہ نے کڑھ کر مداخلت کی تھی۔

"ایسا ہے نا سبرینہ تو پھر شایان بھی کوئی بچہ تو نہیں ہے۔ مگر اسکے آفس سے واپسی پر جب کبھی وہ یہاں آتا ہے تو تم اسے باہر پورچ میں لینے جاتی ہو۔" بیٹی کے انداز انہیں ایک آنکھ نہیں بھائے تھے۔ تبھی وہ خود کو روک نہیں سکی تھیں فوری طور پر اسکی طبیعت صاف کی تھی۔ شانزے ان دونوں کو الجھا چھوڑ کر خود وہاں سے اٹھتی چلی گئی تھی۔

"یہ آپ بات بے بات اس کا شایان سے مقابلہ کیوں کرنے لگتی ہیں۔ سب سمجھ آرہا ہے مجھے ماما بھی بھی شایان کے لئے کی گئی میری شاپنگ دیکھ کر آپ نے شانزے کو ڈانٹا ہے۔" اپنی عادت کے مطابق وہ جلد ہی برا منا گئی تھی۔

"میں کوئی مقابلہ نہیں کر رہی سبرینہ۔ بات کو غلط رنگ مت دو۔ میں یہ نہیں کہہ رہی تم شایان کی پرواہ کرتی ہو تو غلط کرتی ہو۔ مجھے اچھا لگتا ہے بیٹا تمہارا اسکا خیال رکھنا اسکے لئے سوچنا۔ میں تو بس شانزے کو احساس دلانا چاہتی تھی کہ شوہر کی اہمیت سب سے پہلے آتی ہے۔ اسے ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا دھیان رکھنا چاہیے۔ اور تم اسکی بڑی بہن ہو۔ اسکی غلطیوں پر اسے سمجھایا کرو نہ کہ حمایت کرکے اسکا دماغ اور خراب کرو۔"

بیٹی کو نرمی سے سمجھا کر وہ بات ختم کرتے وہاں سے اٹھ گئی تھیں۔

کمرے میں داخل ہوتے وہ میسم کی طرف آئی جو اپنے کپڑے وارڈروب سے نکال رہا تھا۔

آپ کو کچھ چاہیے۔ چائے، پانی؟" انداز جان چھڑانے جیسا تھا۔ میسم نے وارڈروب بند کرتے اسکے پھولے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

"چاچی نے زبردستی بھیجا ہے؟"

"پتہ ہے تو پوچھ کیوں رہے ہیں۔" ٹھس سے انداز میں کہنے پر میسم نے ٹھنڈی سانس خارج کی تھی۔

"میری طرف سے تم پر کوئی حد نافذ نہیں ہے شانزے تم اپنی مرضی کی خود مالک ہو۔ اس سب کی فکر مت کیا کرو۔" وہ آگے بڑھنے لگا تھا۔

"مجھے کیا ضرورت ہے فکر کرنے کی۔ آپ کے بڑے سپورٹر ہیں یہاں۔ جنہیں بڑے مظلوم لگتے ہیں آپ۔ اور مجھ معصوم پر حدود نافذ کی جاتی ہیں۔" ہاتھ سینے پر باندھ کر اس نے تپ کر کہا تھا۔ وہ رک کر اسے پھر سے دیکھنے لگا تھا۔

"اب بتا بھی دیں یا ماما سے میری عزت افزائی کروانا چاہتے ہیں۔ مجھے سب سمجھ رہا ہے آپکا پلان۔ آپ یہی چاہتے ہیں نا کہ میرے ماما ابو کے سامنے مجھے برا بنا کر پیش کریں

تاکہ وہ آپ کو معصوم اور مجھے قصوروار سمجھنے لگیں اور پھر آپ بالکل آزاد ہو کر جو چاہے کرتے پھریں میرے ساتھ۔"نروٹھا سا لہجہ، اکھڑے سے انداز۔ مشکوک سی آنکھوں میں بے پناہ بدگمانی۔ میسم کو خود پر رحم آیا تھا۔

"چائے بنالاؤ۔"بنا اسکے کسی بھی تازہ تازہ جاری کردہ الزامات کی بوجھاڑ پر کان دھرے وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ وہ جلدی سے واپس پلٹ آئی تھی۔

اگلی صبح ناشتے کی ٹیبل سے اٹھ کر کچن کی دہلیز پر کھڑے ہوتے وہ اپنے جانے کا بتاتے اللہ حافظ کہتا جب آگے بڑھنے لگا تو سنک میں برتن رکھتی شانزے کو اس نے کہتے سنا تھا۔

"ماما میں میسم کو سی آف کر آؤں۔"بتا کر وہ اسکے پیچھے آئی تھی۔

"آپ جا رہے ہیں؟"باہر پورچ میں پہنچ کر اس نے پیچھے مڑ کر اسے دیکھا تھا جو مصنوئی انداز میں مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں کیا لگ رہا ہے شانزے؟ آفس بیگ کے ساتھ صبح صبح تیار ہو کر میں جا رہا ہوں یا واپس آ رہا ہوں۔"

وہ چڑ گیا تھا۔

"چپ کریں۔میرا شوہر کو سی آف کرنے کا پہلا پہلا تجربہ ہے۔پتہ نہیں بیویاں کیا کہتی ہوں گی ایسے وقت پر۔" وہ خود زبردستی کی اس ڈیوٹی سے عاجز آئی لگتی تھی۔چہرے کی مسکراہٹ ایک لمحے میں مفقود ہوئی تھی۔میسم کو نا چاہتے ہوئے بھی اس پر ہنسی بھی آئی تھی اور اسکے ساتھ ساتھ ترس بھی ۔

"میں بتاؤں تمہیں ایسے موقعوں پر بیویاں کیا کہتی ہیں؟" دو قدم اسکی طرف لیتے اسکے ذرا قریب آکر وہ دوستانہ سی آفر کر رہا تھا۔آنکھوں کی چمک میں اضافہ ہوا تھا ۔ہونٹوں کے کناروں میں مسکراہٹ دبی ہوئی تھی۔

"ہاں جی آپ کو تو سب پتہ ہوگا۔دو کو بھگتا چکے ہیں۔تجربہ بولتا ہے بھئی۔" اپنی ہی دھن میں سر ہلاتے اس نے کہا تھا۔اور میسم کا جی چاہا کاش وہ اسے سی آف کرنے آئی ہی نہ ہوتی۔

"کل سے کوئی ضرورت نہیں ہے میرے پیچھے باہر آنے کی۔میں تمہارے سی آف کیے بغیر ہی اچھے سے چلا جاتا ہوں۔" سر جھٹک کر وہ گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"وہی تو ماما کہتی ہیں شوہر کو باہر چھوڑنے جایا کرو۔شوہر صاحب کہتے ہیں کوئی ضرورت نہیں۔میں تو جیسے چابی کی گڑیا ہوں نا جدھر چابی دی جائے ادھر چل پڑا کروں۔یہی بات ماما کے سامنے کہہ دیں تاکہ میری بھی جان چھوٹے اس مشقت سے۔ورنہ آپکا کیا

ہے۔ کہہ کر نکل جائیں گے اور پورا دن ماما کی باتیں سنوں گی میں معصوم۔"اس کے پیچھے پیچھے چلتے وہ تیز تیز بول رہی تھی۔جب ایک دم سے اسکے پلٹنے پر اسکی چلتی زبان کے ساتھ ساتھ قدموں کو بھی بریک لگی تھی۔شانزے کا ماتھا اسکے سینے سے ٹھک کر کے لگا تھا۔ میسم خود بوکھلا کر اسے بازو سے پکڑ چکا تھا۔

"اف اللہ جی! آج کا دن ہی برا ہے صبح صبح ہی سر پھوڑ دیا میرا۔"اس نے ہاتھ ماتھے پر رکھے کراہ کر کہا تھا۔ میسم نے اسکے سنبھلنے پر ہاتھ اسکے بازو سے ہٹایا۔

"تو کس نے کہا تھا تیز گام کی سپیڈ سے میرے پیچھے پیچھے چلی آؤ۔"اسکی جھنجھلاہٹ اب آواز میں در آئی تھی۔

"آپ کی ہی غلطی ہے ساری۔"سر اٹھا کر اسے موردالزام ٹھہرایا۔ میسم نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"تمہیں دیکھ کر مجھے یقین ہونے لگتا ہے یہ میری ہی غلطی ہے۔"اسکے حسین چہرے پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال اس نے کار ان لاک کی تھی۔

"اچھا سنیں نا؟"مسکرا کر بڑی ادا سے کہا گیا تھا۔ میسم کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔

"آپ جا رہے ہیں پھر۔"آنکھیں شرارت سے ٹپٹپا کر مسکراتے ہوئے صاف لگ رہا تھا وہ اب صرف سے ٹیز کر رہی ہے۔ میسم نے تنبیہی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"اللہ حافظ۔ خیر سے جائیں میرے سرتاج۔ رب آپ کو اپنے حفظ وامان میں رکھے ۔" دوپٹے کا کونہ انگلی پر لپیٹتے کسی جذباتی ہیروئن کی طرح اس نے بے تابی سے اسے دیکھ کر کہا تھا میسم نے تاسف سے اسے دیکھ کر یوں سر ہلایا تھا جیسے کہہ رہا ہو تم لا علاج ہو۔

"بہت بڑا ڈرامہ ہو تم۔" بے بسی سے گردن ہلاتا وہ اسکی کھلکھلاتی ہنسی کی گونج کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔

"اب یہاں تک آنے کی زحمت کر ہی دی ہے تو ذرا اپنے "سرتاج کے لئے گیٹ بھی کھول دو۔" سامنے دیکھتے وہ شیڈز آنکھوں پر چڑھاتے ہوئے بولا تو شانزے کی ہنسی کو بریک لگا تھا۔

"بس مجھ معصوم کو دیکھ کر سب کو کام یاد آ جاتے ہیں۔" گھور کر ایک نظر اسے دیکھتے وہ گیٹ کھولنے کے لئے آگے ہی بڑھ گئی تھی۔

. . . .

آفس کا کام ختم کرتے کرتے اسے سوا بارہ ہو گئے تھے۔ تھکی ہوئی گردن کو دائیں بائیں کرتے لیپ ٹاپ شٹ ڈاون کیا۔ نیم تاریکی میں ڈوبے کمرے میں اتنی دیر لیپ ٹاپ کی سکرین کی تیز روشنی دیکھ دیکھ کر آنکھیں جلنے لگی تھیں۔ رائٹنگ چیئر سے اٹھ کر اس

نے بے سدھ سوئی ہوئی شانزکو دیکھا تھا پھر احتیاط سے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

اسکی آنکھ کھٹکے کی آواز پر کھلی تھی۔آنکھ کی جھلی سے دیکھا وہ کمرے سے باہر نکل رہا تھا ۔جی چاہا بنا کچھ سوچے سوئی پڑی رہے۔اتنی اچھی نیند آتو رہی تھی پر پھر جھنجھلا کر اٹھ بیٹھی۔موسم میں خنکی بڑھ سی گئی تھی اور رات کے وقت تو اچھی خاصی ٹھنڈ ہونے لگتی تھی۔گرم شال شانوں پر اچھے سے پھیلا کر وہ چہرے پر آئے بال سمیٹتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

ابھی اس نے پتیلے میں پانی ہی ڈالا تھا جب آہٹ پر پیچھے مڑ کر دیکھا۔سوئی جاگی سی شانزے کچن میں داخل ہو رہی تھی۔

"ہٹیں میں بنا دیتی ہوں۔"آنکھیں ملتی وہ پاس آ کر رکی۔

"میں بنا لیتا تم کیوں اٹھ آئی۔"اب وہ آ ہی گئی تھی تو بنائے بنا جانے والی نہیں تھی اس لئے میسم پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"بالکل بنا لیتے جیسے پرسوں بنائی تھی۔"اوپر کیبنٹ کھولتے اس نے سر کو جھٹکا۔

"تمہیں لگتا ہے میں نے چاچی سے تمہاری شکایت لگائی تھی۔"کرسی پر بیٹھ وہ ہلکا سا ہنسا

۔

"لگائی یا نہیں مقصد تو پورا ہو جاتا ہے نا آپکا۔ڈانٹ پڑ جاتی ہے مجھے۔ نکمی ہونے کے طعنے بھی مل جاتے ہیں۔" ماما کی باتیں یاد آتے اسے نئے سرے سے دکھ ہوا تھا۔ میسم کو پرسوں رات کافی بناتے دیکھ کر اگلی صبح اسے خوب سننے کو ملی تھیں اوپر سے اسکی بری قسمت اس دن اسکی آنکھ بھی دیر سے کھلی تھی اسکے نیچے آنے سے پہلے میسم آفس جا چکا تھا۔ پھر ماما نے جو اگلے ایک گھنٹے تک اسے کھڑا کر کے اسے کھری کھری سنائی تھیں اس کے بعد وہ اسے کافی بنانے دینے کا رسک بالکل نہیں لے سکتی تھی۔

میسم چپ ہوتا اسے دیکھنے لگا تھا جو اب بھی نیند کے جھونکوں کی زد میں لگتی تھی۔ کافی بن چکی تھی چھان کر مگ میں ڈالتے اسکا ہاتھ ذرا سا جھٹکا تھا اگلے ہی پل گرم کھولتی ہوئی کافی اسکے ہاتھ کی پشت پر گرتی چلی گئی۔ ہاتھ جھٹک کر وہ چینخی تھی۔ درد کی شدت سے دوسرے ہاتھ میں تھاما پین چھوٹ کر نیچے گرا تھا کہیں چھینٹے اسکے پاؤں پر بھی آ گرے تھے۔ میسم جو اسے ہی دیکھ رہا تھا سرعت سے اٹھ کر اس تک گیا تھا جو ہاتھ جھٹکتی اب کراہ رہی تھی۔

"ادھر دکھاؤ شانزے۔" اسکا ہاتھ پکڑنے پر اس نے ہاتھ پیچھے کیا تھا میسم کو ڈپٹ کر کہنا پڑا تھا۔ اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے غور سے اب وہ معائنہ کر رہا تھا جو بری طرح سے جھلس گیا تھا۔ سرخ و سپید رنگ کی صاف شفاف جلد پر سرخ دھبے بڑے واضح تھے

۔شانزے بری طرح رو رہی تھی۔ میسم اسے ساتھ لئے نل کے نیچے اسکا ہاتھ کیے پانی بہار ہا تھا۔ نظر اسکے چہرے تک گئی تھی جہاں آنسوؤں کی لکیروں کے ساتھ تکلیف کے آثار بڑے واضح تھے۔ میسم نے سختی سے ہونٹ بھینچے۔

"جب کہہ رہا تھا میں کرلوں گا تو کیا ضرورت تھی نیند میں جھولتے یہ سب کرنے کی ۔اب بھگتو۔" اسکے گرتے آنسوؤں سے وہ غیر آرام دہ ہو رہا تھا۔اسی لئے جب بولا تھا تو آواز میں کچھ خفگی اور غصے کے ملی جلی سی کیفیت تھی۔

"ڈانٹیں مت مجھے۔پہلے ہی درد ہو رہا ہے۔اور یہ سب آپ کی غلطی ہے آپ کی وجہ سے جلا میرا ہاتھ۔" سسکی روکتے بھی اس کی زبان چلنے سے باز نہیں آئی تھی۔

"بالکل ساری غلطیاں تو میری ہی ہوتی ہیں۔" نل بند کرتے اسکی طرف مڑ کر وہ ہولے سے پھونک مار رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" صائمہ اسکی چیخ کی آواز پر جاگی تھیں حواس باختہ سی اپنی چادر سنبھالتیں اندر داخل ہوئی تھیں۔ میسم اسکا ہاتھ چھوڑ کر تھوڑا سا پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"میرا ہاتھ جل گیا ہے۔" انہیں دیکھ کر رونے میں شدت آگئی تھی۔

"کیسے جلا لیا بیٹا؟" وہ تیزی سے اسکے پاس گئی تھیں۔

"کافی گر گئی ہے۔" میسم کی طرف سے آہستگی سے جواب آیا تھا۔

"یہ توزیادہ جل گیاہے۔" صائمہ نے پریشانی سے اسکاہاتھ دیکھا۔"میں آئنمنٹ نکالتی ہوں ایک منٹ۔" اسکے پاس سے ہٹ کرانہوں نے نیچے دراز کھولتے ہوئے ٹٹولا تھا ۔اسے کرسی پر جب بٹھاکراسکے ہاتھ پر مرہم لگاتے وہ کہہ رہی تھیں۔

"دھیان کہاں تھاتمہارا؟اتناجلالیا۔اچھارونابند کروابھی ٹھیک ہو جائے گا۔" اسکاچہرہ دیکھ کروہ نرم پڑی تھیں۔

"پاؤں بھی دیکھ لیں۔" اپنے پیچھے خاموش کھڑے میسم کے کہنے پر صائمہ نے جھک کر پاؤں دیکھا تھااسکی بچت ہوگئی تھی۔ کہیں کہیں سرخ نشان سے تھے جو چھینٹے پڑنے کی وجہ سے تھے۔جھک کرآئنمنٹ لگاتے وہ سیدھی ہوئی تھیں۔

"جل رہاہے بہت۔" میسم نے اسے دیکھا تھاجو سرخ پڑتی ناک اور بھیگی آنکھوں سے اب بھی اپنے ہاتھ پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

"ابھی تھوڑی دیر تک ٹھیک ہو جائے گابیٹا۔جاؤآرام کرواب۔" اسکاگال سہلاتے انہیں جیسے یاد آیا تھا۔

"میسم تمہارے لئے دوسری کافی بنادوں؟" انکے پوچھنے پر شانزے نے رونا بھول کر اسے یوں دیکھا تھاجیسے اگراس نے ہاں کی تووہ اسکے اس جرم کے لئے تاعمر اسے معاف نہیں کرے گی۔

"نہیں چاچی۔اب جی نہیں چاہ رہا۔" گڑ بڑا کر انکار کرنے پر شانزے نے کچھ مطمئین ہو کر نظریں اس پر سے ہٹائی تھیں۔

"جاؤ پھر بیٹا سو جاؤ۔ میں یہ صاف کر لیتی ہوں۔اٹھو شاباش۔" شانزے سے کہتے وہ اٹھ کر کاؤنٹر اور فرش پر گری ہوئی کافی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

آگے پیچھے وہ دونوں ہی کچن سے باہر نکلے تھے۔ کمرے میں آ کر وہ دھپ سے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ پیچھے میسم نے دروازہ بند کرتے ترحم آمیز نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"زیادہ درد ہو رہا ہے؟" ہمدردانہ لہجہ اور فکر مند سی آواز۔ شانزے کی نگاہ اٹھی تو ان میں کسی قسم کی خفگی کی رمق تک نہ تھی۔

"ہو تو رہا ہے مگر اتنا بھی نہیں ہو رہا۔" وہ مسکرائی تھی۔ میسم سر ہلاتا وہاں سے ہٹ گیا۔

واش روم سے واپس آ کر جس وقت وہ اپنی جگہ دراز ہوا تھا وہ جلے ہاتھ کے باعث اسی جانب کروٹ کیے ہاتھ احتیاط سے درمیان رکھے کشنز میں سے ایک پر رکھے ہوئے تھی

۔

"آدھی رات کو اٹھ کر کافی پینے کی عادت کچھ عجیب سی نہیں ہے؟" میسم مسکرایا تھا

۔ صد شکر وہ فلحال اسکی عادت کو عجیب کہہ رہی تھی اسے نہیں۔

"پہلے نہیں تھی۔امریکہ میں بنی ہے۔وہاں کام کرتے اکثر ضرورت پڑ جاتی تھی تو پی لیا کرتا تھا۔اب ایسی لت لگی ہے کہ کبھی طلب ہو اور نہ ملے تو نیند بھی نہیں آتی۔" سر کے نیچے بازو دراز کرتے ترچھی گردن کیے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا اور خوش کن احساس یہ تھا وہ اب رو نہیں رہی تھی۔

"تو اب کیا ہو گا آجائے گی نیند کافی پیے بنا؟۔" اسکی آنکھوں میں بڑا معصوم سا حیرت بھرا سوال تھا۔ میسم نے بڑی فرصت سے اسے دیکھا تھا۔وہ اب ہمدردی جتا رہی تھی حالانکہ کچھ دیر پہلے تک چاچی کے پوچھنے پر اس کی طرف کیسے گھور کر دیکھا تھا۔

"تمہارا اجلا ہاتھ دیکھ کر کیسے پی سکتا تھا؟اب سو جاؤ۔۔۔ہوں۔" سر کے نیچے سے بازو نکال کر اس نے صرف ایک پل کے لئے اسکا گال چھوا تھا۔اگلے ہی پل وہ کروٹ بدل گیا تھا۔ مگر شانزے کا دل اس ایک پل میں ہی کہیں گنا زیادہ سپیڈ پکڑ چکا تھا۔اسکی انگلیوں کا لمس گال کو دہکا سا گیا تھا۔ غیر آرام دہ ہوتے اس نے اسکی پشت کو کھوئی کھوئی سی کیفیت میں دیکھتے اپنے دوسرے ہاتھ سے گال پر سے کچھ مٹانا چاہا تھا۔

. . . .

یہ جل گیا ہے یا جلایا ہے کسی نے؟" اگلے دن سبرینہ آئی تو اسکا جلا ہاتھ دیکھ کر تفتیشی انداز میں ہاتھ پہلوؤں پر جمائے کھڑی اسے گھور رہی تھی۔ اس وقت وہ دونوں اپنے مشترکہ کمرے میں موجود تھیں۔ ٹانگیں اوپر کیے شانزے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے نیم دراز سی بیٹھی ہوئی تھی

"جلایا؟ کیا کہہ رہی ہیں آپی۔" نا سمجھی سے اسکی طرف دیکھتے ہوئے وہ حیرت زدہ تھی

۔

"میسم نے تو نہیں جلا دیا؟" اسکے مشکوک ہونے پر شانزے نے دنگ نظروں سے بہن کا چہرہ دیکھا تھا۔

"کیا بول رہی ہیں آپی۔ میسم ایسا کیوں کریں گے؟ یہ میری اپنی غلطی سے ہوا ہے۔" اسے ناگوار گزرا تھا تو آواز میں بھی ذرا خفگی آ گئی تھی۔

"تم سچ کہہ رہی ہو نا؟" سبرینہ اب اسکے پاس بیٹھ گئی تھی۔

"جھوٹ کیوں کہوں گی۔ اور آپ کو ایسا کیوں لگا میسم ایسا کریں گے میرے ساتھ؟" اس کی سوئی وہیں اٹک گئی تھی۔

"جو کچھ وہ فریحہ کے ساتھ کر چکا ہے اس کے بعد میں اس سے کچھ بھی توقع کر سکتی ہوں۔" سر کو جھٹک کر وہ تنفر سے کہہ رہی تھی۔ شانزے کو بے نام سی اداسی نے آن گھیرا۔

"پتہ نہیں کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ آپی۔ میں پچھلے دو ماہ سے انکے ساتھ رہ رہی ہوں مجھے تو ایک بار بھی وہ ویسے نہیں لگے جیسا فریحہ بھابھی انہیں بتایا کرتی تھیں۔ میں نے کبھی انہیں غصہ ہوتے نہیں دیکھا، بدزبانی تو دور کی بات وہ تو بات بھی فالتو نہیں کرتے۔ کبھی مجھے کسی بات سے روکا نہیں۔ اگر کوئی دکھاوا بھی کر رہا ہو تو چوبیس گھنٹے تو نہیں کر سکتا نا۔" سبرینہ نے اسے گھور کر دیکھا تھا جو اسکی طرف دیکھتے الجھی ہوئی سی بول رہی تھی۔

"پاگل ہو گئی ہو تم؟ کچھ زیادہ ہی نہیں شوہر کی طرف داری کا بخار چڑھ گیا جو آنکھوں دیکھی مکھی بھی نگلنے لگی ہو۔ وہ تم ہی تھی نا جس نے اسے فریحہ کو مارتے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا پھر بھی یہ سب کہہ رہی ہو۔"

اسے شانزے کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا۔ غصے سے بھری وہ اسے ڈانٹ رہی تھی۔

"میں کوئی طرف داری نہیں کر رہی۔ وہی کہہ رہی ہوں جو مجھے لگا۔" اس نے برا منایا تھا۔ سبرینہ طنزیہ سا مسکرا دی۔

"وہ بہت چالاک ہے۔ تمہیں بھی شیشے میں اتار لیا اس نے۔ خیر تم اس کے لیے آسان شکار تھی جسے وہ آسانی سے بیوقوف بنا کر اپنے ماضی پر لگے تمام بد نما داغ مٹا دینا چاہتا ہے۔اور مبارک ہو تم ایسا کرنے میں اسکا پورا پورا ساتھ دے رہی ہو۔"

شانزے کا دل ایک دم ہی ہر شے سے اچاٹ ہو گیا تھا۔اسے مزید اس سب کے بارے میں کچھ نہیں سننا تھا۔

"آپی پلیز کیا ہم کوئی اور بات کر سکتے ہیں؟ میرے سر میں پہلے ہی درد ہو رہا ہے۔" وہ بے دلی سے بولی تھی تبھی نظر دروازے کے فریم سے نظر آتے میسم پر پڑی تھی۔اسکی رنگت میں گھلتا تغیر اتنا واضح تھا کہ سامنے بیٹھی سبرینہ بھی چونکے بنا نہ رہ سکی تھی۔

"آپ کب آئے؟" اپنی جگہ سے اٹھتی وہ سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیر گئی تھی۔دل کا شور حد سے سوا تھا جیسے کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔اور اگر اس نے سن لیا ہوا تو؟۔ سبرینہ نے ایک نظر مڑ کر اسے دیکھا تھا اگلے لمحے وہ ناگواریت سے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی

۔

"ابھی ابھی آیا ہوں۔ کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا تو یہاں دیکھنے چلا آیا۔" سنجیدہ مگر نارمل سا انداز تھا۔چہرے کے تاثرات بھی ٹھیک معلوم ہوتے تھے۔شانزے نے سکھ کا سانس خارج کیا۔

"ماما ابو کے ساتھ پڑوس میں گئی ہیں تھوڑی دیر پہلے۔ساتھ والی آنٹی کی بہن کی ڈیتھ ہو گئی تھی تو تعزیت کے لئے گئے ہیں۔" اسکے تفصیلی جواب پر سر ہلاتا وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

"آپی میں آتی ہوں تھوڑی دیر تک۔" کہتے ہوئے وہ بھی عجلت میں اسکے پیچھے نکل گئی تھی۔ سبرینہ نے تاسف سے بہن کو جاتے دیکھا تھا۔

شام کو شایان بھی چلا آیا تھا۔صائمہ نے اسے کھانے پر روک لیا تھا۔شانزے کے ہاتھ کی وجہ سے صائمہ اسے کام بھی نہیں کرنے دے رہی تھیں۔ایسے میں سبرینہ ہی انکے ساتھ لگی ہوئی تھی۔شانزے وہیں کرسی پر بیٹھی باتیں کر رہی تھی ۔ باہر لاؤنج میں مرد حضرات بیٹھے ہوئے تھے۔چائے بننے پر وہی باہر دینے آئی تھی۔ محمود آفندی کہیں دکھائی نہیں دیتے تھے۔ میسم اور شایان وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔اور شانزے نے انہیں شاید پہلی باریوں ایک ساتھ اتنی دیر تک بیٹھے دیکھا تھا۔ میسم سبرینہ سے بات نہیں کرتا تھا مگر شایان سے وہ کافی خوش اخلاقی سے بات کر رہا تھا۔نک چڑھا سا شایان بھی اچھے موڈ میں نظر آتا تھا۔ورنہ اسکی طبیعت میں موڈی پن بہت زیادہ تھا۔اپنے سسرال بھی وہ کم کم ہی آتا تھا۔زیادہ تر سبرینہ کو صبح آفس جاتے ڈراپ بھی وہ باہر ہی کرتا تھا۔واپسی پر کبھی کبھار وہ اسے لینے آجاتا ورنہ زیادہ تر وہ خود ٹیکسی سے واپس جاتی تھی۔ کبھی کبھی

شانزے کو حیرت ہوتی تھی اسکی اتنی خود پسند اپنی چلانے والی بہن اس کے ساتھ اتنی خوش کیسے رہتی تھی۔ مگر وہ باقیوں کے ساتھ جیسا بھی تھا مگر سبرینہ سے اسکی انڈرسٹینڈنگ کی وہ معترف تھی۔

جب تک وہ انہیں چائے سرو کر رہی تھی محمود آفندی بھی وہیں چلے آئے تھے۔ انکی طبیعت کل سے کچھ خراب تھی شاید انہیں ٹھنڈ لگ گئی تھی مگر وہ اتنی پرواہ بھلا کب کرتے تھے۔ میسم کے کہنے کے باوجود وہ اس کے ساتھ ہوسپٹل جانے کو راضی نہیں ہوئے تھے۔

انہیں چائے دیتی وہ واپس پلٹ آئی تھی۔

رات کھانے کی ٹیبل پر اچھا خاصا اہتمام ہو گیا تھا۔ ڈنر کے بعد سبرینہ اور شایان تو چلے گئے تھے۔ پیچھے صائمہ اکیلے کچن میں لگی ہوں گی یہ سوچ کر وہ نماز پڑھنے کے بعد کچن میں آئی تھی۔ جہاں صائمہ کے ساتھ میسم کھڑا نظر آیا تھا۔ صائمہ برتن دھو رہی تھیں جب کہ وہ پاس کھڑا انہیں کپڑے سے خشک کرتا سگھڑاپے سے رکھتا جا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ باتیں بھی جاری تھیں۔ شانزے غیر محسوس انداز میں مسکراتے ہوئے وہیں سے پلٹ کر کمرے میں محمود آفندی کو دیکھنے چل پڑی تھی۔

. . . .

.

پچھلے دو دن سے وقفے وقفے سے بارش برس رہی تھی۔ سرد ہواؤں نے شہر کا رخ کچھ اس طرح سے کیا تھا کہ فضا میں یخ بستگی کا احساس رچ بس سا گیا تھا۔ محمود آفندی کا نزلا زکام بخار میں تبدیل ہو گیا تھا۔ رات کے آخری پہر انکی طبیعت بگڑ گئی تھی۔ وہ سانس لینے میں دشواری کے ساتھ سینے میں درد کی شکایت کر رہے تھے۔ میسم انہیں ہوسپٹل لے کر گیا تھا ایسے میں اس کے منع کرنے کے باوجود بھی صائمہ اور شانزے بھی ساتھ ہو لی تھیں۔

ڈاکٹر نے نمونیہ کی تشخیص کی تھی۔ انہیں ہوسپٹل میں ایڈمٹ کر لیا گیا تھا۔ جب تک انکی حالت کچھ بہتر ہوئی فجر کی اذانیں ہونے لگی تھیں۔ پرائیویٹ روم میں اس وقت وہ اکیلی انکے بیڈ کے پاس سٹول پر بیٹھی ہوئی تھی۔ صائمہ ابھی ابھی واش روم وضو کرنے کے لئے گئی تھیں۔ میسم اسٹور سے منگوائی دوائیں لے کر ابھی ابھی لوٹا تھا۔ دوا کے زیر اثر محمود آفندی سو رہے تھے اور پاس جھکے سر کے ساتھ بیٹھی وہ سوں سوں کرتی شاید رو رہی تھیں۔ وہ آہستگی سے چلتا اس تک آیا تھا۔ اپنا ہاتھ اسکے سر پر رکھا تو وہ

چونک کر چہرہ اٹھاتی اسے دیکھنے لگی تھی۔ گیلی گیلی گلابی آنکھیں میسم نے نظریں پھیر لی تھیں۔

"رو کیوں رہی ہو؟" اپنا ہاتھ ہٹاتے وہ محمود صاحب کو پر سکون سوئے دیکھ وہ نرم اور دھیمی آواز میں پوچھ رہا تھا۔ رخ پھیر کر آنکھیں صاف کرتے شانزے نے گردن نفی میں ہلائی تھی۔ مگر وہ چپ رہی۔

"چاچی کہاں ہیں۔"

"وضو کرنے گئی ہیں۔" زکام زدہ سی آواز میں کہنے پر میسم نے دوبارہ اسکے جھکے سر پر نگاہ ڈالی تھی۔ ساتھ ہی اپنا ہاتھ دلاسے کے سے انداز میں اسکے سر پر رکھ کر زدہ تھپتھپایا تھا۔

"چاچو ٹھیک ہیں اب۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے بہتر ہو گا اگر دو تین دن کے لئے انھیں ہوسپٹلائزڈ کر دیا جائے۔ چاچی نماز پڑھ لیں تو پھر تمہیں انکے ساتھ گھر ڈراپ کر آؤں گا۔" میسم اب پیچھے دیوار کے ساتھ لگے صوفے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ واش روم کا دروازہ کھلا تھا صائمہ باہر آئی تھیں۔

"میں نماز پڑھ کر آتی ہوں۔" ایک نظر شوہر کو دیکھ باری باری ان دونوں کو دیکھتے وہ کمرے سے باہر نکل کر نرس کی بتائی نماز گاہ کی تلاش میں آگے کی جانب بڑھ گئی تھیں

۔

"مجھے ابو ساتھ رہنا ہے۔" ضد بھرا اصرار کرتے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

"ضرورت نہیں ہے شانزے میں ہوں یہاں۔ تم چاچی کے ساتھ گھر جا رہی ہو ۔" براؤن کھدر کی شلوار قمیض پر جرسی پہنے، پیچھے کی جانب ٹیک لگائے وہ تھکن زدہ سا لگتا تھا۔

"آپ آفس جائیں گے تب؟"

"نہیں جاؤں گا۔ آف لے لوں گا کچھ دن۔" اسکے بتانے پر سر ہلاتے وہ چپ کر گئی تھی ۔ محمود آفندی تین دن ایڈمٹ رہے تھے۔ وہ انکے ساتھ رہا تھا۔ صائمہ اور شانزے روز ہی آیا کرتی تھیں واپسی پر ڈراپ کرنے بھی وہ خود جایا کرتا تھا۔ سبرینہ بھی شایان کے ساتھ آئی تھی۔

جس دن وہ گھر واپس آئے تھے طبیعت پہلے سے کافی بہتر معلوم ہوتی تھی۔ انہیں کمرے میں لٹا کر میسم صائمہ کو انکی میڈیسن کے بارے میں سمجھا رہا تھا جب دروازے سے گرم سوپ کا پیالہ ٹرے میں سجائے شانزے اندر داخل ہوئی تھی۔

"میں پلاؤں ابو آپ کو؟" انکے سامنے بستر پر جگہ بنا کر ٹرے رکھتے وہ بیٹھتی مصروف سی پوچھ رہی تھی۔ محمود آفندی بشاشت سے ہنسے۔

"اتنا بھی بیمار نہیں ہوں میں۔ خود پی لوں گا۔ لاؤ دو مجھے۔" اٹھ کر سیدھا ہو کر بیٹھتے انہوں نے ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔ شانزے نے سوپ کا پیالہ انہیں تھمایا۔

"سارا ختم کرنا ہے پھر۔" اٹھ کر تنبیہی انداز میں انہیں دیکھتے وہ باہر جانے کو مڑی۔ میسم دوائیں سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر سیدھا ہو رہا تھا۔

"آپ بھی آجائیں۔ کھانا گرم کر دیا ہے۔" وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ میسم بھی سر ہلا کر اسکے پیچھے چل دیا تھا۔ صائمہ نے مسکراتی نظروں سے دونوں کو آگے پیچھے کمرے سے باہر نکلتے دیکھا تھا۔ محمود آفندی کی بیماری نے ان دونوں کے رشتے کو مضبوط کیا تھا۔ کوئی دیوار سی تھی جو گری تھی۔ شانزے کا رویہ اسکی بابت واضح طور پر تبدیل ہوا تھا۔ پچھلے تین چار دن میں جس طرح اس نے محمود آفندی کا خیال رکھا ہوتا۔ اسکی جگہ کوئی بھی اور ہوتا تو شاید ہی اتنا کر پاتا۔ خود شایان کی مثال اسکے سامنے تھی۔ کیا وہ اتنے دن ہوسپٹل میں انکے ساتھ رہ پاتا اپنا سب کام چھوڑ چھاڑ کر؟ جواب بڑا واضح تھا اور یہی چیز اسے اسکے قریب کر گئی تھی۔

سامنے بیٹھاوہ خموشی سے کھانا کھارہا تھا۔بلاوجہ وہاں کاؤنٹر سے ٹیک لگائے وہ ناخنوں سے کھیلتی گاہے بگاہے ساتھ ساتھ اس پر بھی نظر ڈال رہی تھی۔اسے دیکھ کراب وہ چڑتی نہیں تھی۔نا ہی دل میں اس کے لئے کوئی ناگواریت کا احساس پنپتا تھا۔

"تمہارا ہاتھ کیسا ہے اب؟کھاتے ہوئے اچانک سے سر اٹھا کر اسکی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا تو وہ جو بے اختیاری میں بغور اسکا چہرہ دیکھ رہی تھی، گڑبڑا کر اپنے ہاتھ کو سامنے کرتی اسکی پشت دیکھنے لگی۔جہاں اب صرف نشان سے باقی رہ گئے تھے۔

"ٹھیک ہے اب۔"اسکی آواز بہت مدھم سی تھی۔میسم نے ہاتھ روکتے اسکی طرف چونک کر دیکھا تھا کچھ تھا جو بدل گیا تھا۔وہ ایسے نارمل انداز میں بات کرتی، بلاوجہ اسکے آس پاس کھڑی اچھی لگ رہی تھی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟"اسکی حیرت بجا تھی۔

شانزے نے نفی میں گردن ہلائی تھی۔اس نے بھی مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا۔کھانا کھا کر جب وہ اٹھا تھا تب پیچھے سے شانزے نے اسے پکارا تھا۔

"میسم؟"۔

جاتے جاتے وہ رکا۔پلٹ کر اسے دیکھا جو کچھ نروس سی لگتی تھی۔

"تھینک یو۔ ابو کے لئے اتناسب کرنے کے لئے۔" پچھلے کچھ ماہ سے ہر وقت اس سے لڑنے جھگڑنے اور فرنٹ لائن پر اسکے خلاف محاذ آرائی کرنے والی شانزے کو یہ کہتے ہوئے دقت ہوئی تھی۔ مگر اسکا دل بڑا صاف تھا جو محسوس کرتی تھی اس کا اظہار بھی کر دیا کرتی تھی۔ میسم ہلکا سا مسکرایا۔ آنکھیں ابھی بھی اسی کا طواف کر رہی تھیں۔ آسمانی نیلے رنگ کے گرم سوٹ میں وہ پیاری لگ رہی تھی۔

"تمہیں لگتا ہے شانزے یہ کہنے کی ضرورت ہے؟" ذرا دیر کو وہ رکا شانزے اسی کو دیکھ رہی تھی۔ "وہ صرف تمہارے ابو نہیں ہیں میرے چاچو بھی ہیں۔ انکی محبت و اپنائیت میرے لئے کیا ہے اور وہ خود میرے لئے کیا معنی رکھتے ہیں تم نہیں جان سکتی۔ ہوتا ہے نا کوئی ایک ایسا جو آپ کے برے سے برے حالات میں بھی آپ کے صحیح یا غلط ہونے کی پرواہ کیے بنا بس آپ کی فکر کرے، آپ کی پرواہ کرے۔ چاچو میرے لئے وہی ایک شخص ہیں۔ جنکی محبت کا بدلا میں کسی صورت نہیں چکا سکتا۔ جنھوں نے میرے مشکل سے مشکل حالات میں بھی میرا ساتھ دیا۔ بس میرا احساس کیا۔ صحیح اور غلط کے پیمانے کو ایک سائیڈ پر رکھ کر۔ اگر تم میری زندگی میں نہ بھی ہوتی تو بھی میرے لئے وہ اتنے ہی اہم ہوتے۔ میں انکے لئے یہ سب کرتا۔ جانتی ہو کیوں؟ کیوں کہ وہ مجھے بیٹا کہتے ہی نہیں سمجھتے ہیں۔ اور بیٹوں کا شکریہ تو ادا نہیں کیا جاتا۔" نرمی اور

متانت سے کہتا وہ چہرے پر بھی ملائم سا تاثر رکھے ہوئے تھا۔اپنی فیلنگز کا اتنا واضح اظہار کرتے شانزے نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا تو وہ واپس مڑتا باہر نکل گیا تھا۔

پیچھے برتن سمیٹتے وہ اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔وہ اسے احسان مندی کے زمرے میں لے رہی تھی۔ لیکن یہ جذبہ اس سے بڑھ کر تھا جس کا وہ لاشعوری طور پر شکار ہو رہی تھی۔اور ادراک کی سرحد سے بہت دور تھی۔

. . . .

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews
Zubinovelszone.com

"آپ کی بڑائی میں کمی آجاتی اگر آپ آپی سے حال چال پوچھ لیتے؟" میسم نے فائل سے سر اٹھا کر گردن موڑ کر دیکھا تھا۔وہ دروازے کے پاس کھڑی بگڑے تیور لئے کھڑی تھی۔

ابھی کچھ دیر پہلے وہ نیچے ہی تھا جب سبرینہ کے آنے پر وہاں سے اٹھتا ہوا اوپر آگیا تھا ۔شانزے کو یہ بات چبھی تھی۔کچھ دیر بعد وہ کمرے میں کھڑی اب اس سے خفگی جتا رہی تھی۔

"میں نے نہیں پوچھا تو تمہاری آپی نے کون ساز حمت کر دی؟" رخ اسکی طرف کرتے وہ پیچھے کی جانب ٹیک لگائے بازو سینے پر لپیٹ چکا تھا۔

"آپ بڑے ہیں بڑوں کو پہل کرنی چاہیے۔" وہ بضد ہوئی۔ میسم نے سر کو استہزائیہ ذرا سا جھٹکا تھا۔

"جیسے میرے بڑے ہونے کا تو بڑا لحاظ ہے نا تمہاری آپی کو۔" شانزے کی تیوری چڑھی تھی۔ پہلو پر ایک ہاتھ جمائے وہ چلتی ہوئی اسکے قریب آ کھڑی ہوئی تھی۔

"یہ کیا تمہاری آپی تمہاری آپی لگا رکھی ہے آپ نے۔ آپ کی بھی کچھ لگتی ہیں کہ نہیں"۔

"ہاں بالکل لگتی ہیں میرے چاچو کی دختر نیک ہیں مگر صرف نام کی ہی نیک ہیں۔" اس کا انداز کچھ طنزیہ سا تھا شانزے منہ کھولے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"ایسے تو مت کہیں اب آپ۔ آپی ہیں میری وہ۔" وہ ناراض ہوئی تھی۔

"وہ تمہاری آپی ہے تو میں کیا ہوں؟ پڑوس والی کا شوہر؟" وہ بظاہر بہت پر سکون سا اسے دیکھ رہا تھا مگر آواز میں گلہ سا بولنے لگا تھا۔

"سیریل قسم کے شوہر بن کر بھی آپ کی حسرتیں پوری نہیں ہوئیں۔ دو کو کنارے لگا چکے ہیں۔ تیسری کے ہوتے ہوئے بھی ابھی پڑوس والی کا شوہر بننے کے ارمان باقی ہیں

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews
Zubinovelszone.com

؟"وہ سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ دبی دبی سی چینخی تھی۔ میسم نے بے آرام ہوتے ذرا سا پہلو بدلا

"دیکھو تم مجھے بار بار میری شادیوں کے طعنے مت دیا کرو۔اب نصیب میں ہی تین شادیاں ہونا لکھی تھیں تو میں کیا کر سکتا ہوں؟"خفیف سا ہوتا وہ شانے اچکا گیا۔

"ہاں جی بالکل۔اتنے ہی کوئی آپ مظلوم ترین آدمی۔آپ کے تو ہاتھوں کی لکیروں میں ہی شادیوں کی بھرمار لکھی ہوئی تھی۔"اگے ہو کر جھکتے ہوئے اسکا ہاتھ پکڑ کر ،کشادہ ہتھیلی سامنے کی۔پھر بغور اسکا ہاتھ دیکھتی وہ تپ کر کہہ رہی تھی۔میسم اسکے جلے بھنے لب و لہجے پر اپنی امڈ آتی ہنسی کو دباتا تھوڑا آگے کو ہوتا اپنا چہرہ اسکے خفا خفا سے غصے کی لالی لئے چہرے کے قریب لے کر گیا تھا۔پھر آنکھ کے اشارے سے اسے اپنی ہتھیلی کی جانب متوجہ کیا تھا۔

"بس نصیب کا لکھا کون مٹا سکتا ہے۔ابھی کچھ دنوں سے میرے ہاتھ میں ایک نئ لکیر بن رہی ہے۔یہ دیکھو کہیں چوتھی شادی کی ہی نہ ہو۔"چہرے پر سنجیدگی لئے وہ پر سوچ انداز میں کہہ رہا تھا۔شانزے جو بڑی توجہ سے اسکی ہتھیلی دیکھتی،اسکے دوسرے ہاتھ کی انگلی سے نشان دہی کی جانے والی ایک ننھی سی لکیر پر غور کر رہی تھی،کو جھٹکا لگا تھا اور اگلے ہی لمحے اسکی آنکھوں سے شرارے لپکے تھے۔وہ لب بھینچ کر سیدھی ہوتی

اسے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہی تھی جواب واپس پیچھے کی جانب کرسی سے ٹیک لگا چکا تھا۔

"اللہ کی قسم میسم۔اگر یہ چوتھی شادی کی لکیر ہوئی ناتو۔۔۔۔" تنے ہوئے نقوش کے ساتھ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی وہ اپنا غصہ اس پر ظاہر کیسے کرے۔

"تو؟" میسم کا متبسم انداز اسے اکسانے جیسا تھا۔

شانزے نے ذرا سا جھک کر اسکا وہی ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے تھوڑا اوپر کی جانب اٹھایا تھا۔

"تو میں مشرقی بیویوں کی طرح رونے دھونے پر اکتفا نہیں کروں گی۔یہ ہاتھ ہی کاٹ دوں گی۔نہ رہے گا ہاتھ نہ ہوگی چوتھی شادی کی لکیر۔پھر کٹے ہاتھ کے ساتھ سر پیٹتے رہیے گا آپ۔" اسکا ہاتھ جھٹک کر چھوڑتے وہ تن فن کرتی جانے لگی تھی۔میسم کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔اس نے مڑ کر چھبتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔جواب گردن نیچے کی طرف پھینکے سر کو دائیں بائیں جنبش دیتے ہنس رہا تھا۔ایک خوب صورت ہنسی۔شانزے کا دل اس ہنسی کے بھنور میں کہیں الجھ کر رہ گیا تھا۔تو وہ اسے صرف تنگ کر رہا تھا۔

"ویسے کچھ زیادہ ہی خوش فہمیاں پال رکھی ہیں آپ نے۔یہ میرے ابو ہی تھے جو آپ کی محبت میں اندھے ہو کر آپ کے سفید ہوتے بالوں کی پرواہ بھی نہیں کی اور لے کر بیٹی بیاہ دی آپ کے ساتھ۔ورنہ بڑھاپے کی دہلیز پر تو آپ کھڑے ہیں کس نے اپنی بیٹی دینی ہے اب آپ کو۔" وہیں کھڑے کھڑے اس نے دو دو ہاتھ کرتے مسکرا کر چڑانے والے انداز میں کہا تھا۔میسم کی ہنسی کو بریک لگی تھی اور شانزے نے دل میں ڈھیروں سکون لئے باہر کی راہ لی تھی۔بڑھاپے کی دہلیز۔۔۔۔یہ طعنہ اس نے سے دوسری بار دیا تھا۔میسم نے دروازے کی جانب دیکھ کر خفگی سے گھورا تھا جہاں سے ابھی ابھی اسکا لہراتا سبز آنچل اوجھل ہوا تھا۔

"پینتس سال کی عمر میں کون بوڑھا ہوتا ہے؟۔۔۔۔پاگل عورت نہ ہو تو۔" بڑبڑاتے ہوئے اس نے آگے کی طرف ہوتے فائل کھول کر سر جھٹکتے اپنا دھیان اس جانب مبذول کرنے کی کوشش کی تھی

. . . .

نیند میں اپنے گال پر کوئی چیز سرسراتی چیز محسوس کرتے اسکی آنکھ کھلی تھی۔اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ مارا تھا۔ہاتھ کی گرفت میں اسکی نرم و ملائم انگلیاں آئی تھیں۔میسم

نے آنکھیں پوری طرح کھول کر خود سے تھوڑے سے فاصلے پر اپنی طرف کروٹ لئے سوئی شانزے کو دیکھا تھا جس کا ہاتھ نیند میں اسکے چہرے کو چھو گیا تھا۔ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا وہ سوتے ہوئے ہاتھ چلانے کی عادی تھی۔اپنی بنائی کشنز کی باڑ سے اسکا ہاتھ کہیں بار اسکے علاقے میں آیا تھا وہ ہر بار باعزت طریقے سے اسے پتہ چلے بغیر ہی واپس اسکے علاقے میں چھوڑ آتا تھا۔مگر آج اسکا ایسا کوئی ارادہ معلوم نہیں ہوتا تھا۔نہ تو میسم نے اسکا ہاتھ اپنے گال پر سے ہٹایا تھا اور نہ ہی اپنے ہاتھ کی گرفت سے آزاد کیا تھا۔اس کا لمس،اس قربت کا احساس اور اپنے رشتے کے استحقاق نے اس کے دل میں پر لطیف سا احساس جگایا تھا۔

یہ سچ تھا جب سجاد آفندی نے اس سے شانزے کی بابت بات کی تھی تو اسے حیرت کا شدید ترین جھٹکا لگا تھا۔وہ اس سے تیرہ سال چھوٹی تھی۔عمر،مزاج،عادات وہ دونوں ایک دوسرے سے یکسر الگ تھے۔اسے خود بھی اپنا اس کے لئے کیا جانے والا محمود آفندی کا انتخاب غیر معقول لگا تھا۔جس کا ذکر اگلی صبح اس نے ان سے کیا بھی تھا ۔بدلے میں انکے جواب نے اسے چپ کروا دیا تھا۔دو ناکام تجربات کے بعد وہ ایک بار پھر سے شادی جیسی بھاری ذمہ داری کے لئے خود کو اہل نہیں جان پا رہا تھا مگر یہ بھی حقیقت تھی اسے احساس تھا بنا شادی کے وہ ازدواجی زندگی میں دو بار کی ناکامی کے

معاشرے تو کیا گھر میں ہی معیوب سمجھا جائے گا۔شادی تو کرنی ہی تھی تو کیوں نہ یہیں سہی۔وہ جانتا تھا یہ مشکل ہو گا وہ بھی اس صورت جب شانزے کی اپنے بارے میں ناپسندیدگی سے وہ خود بھی واقف تھا۔اور اسکی وجہ بھی جانتا تھا۔شادی کی رات اسکے رویے نے اسے باور کروا دیا تھا وہ اس کو کتنا ناپسند کرتی ہے جس پر مہر اسکی اگلی رات کی باتوں نے ثبت کر دی تھی۔

وہ خاموش ہو گیا تھا۔ویسے بھی اس رشتے کو اور خاص کر کے شانزے کو قبول کرنے کے لئے اسے خود وقت درکار تھا۔شانزے بھی غلط نہیں تھی اسکے ماضی کو مد نظر رکھتے اسکا رویہ میسم کے ساتھ کوئی ایسا غیر معقول بھی نہیں تھا۔میسم نے اسکی طرف سے چپ سادھ لی تھی۔اس نے اپنے رشتے کا کسی قسم کا بوجھ شانزے پر نہیں ڈالا تھا۔ اسکی کڑوی کسیلی باتیں بھی وہ آرام سے سن لیتا تھا۔مگر پچھلے کچھ دنوں سے اسکے بدلے رویے نے میسم عباس کے احساسات میں بھی بدلاؤ لا یا تھا۔دل اسکی طرف ہمکنے لگا تھا اور اسے روکنے کی کوشش اس نے بھی نہیں کی تھی۔وہ کرنا چاہتا بھی نہیں تھا۔

پر شوق نظروں سے اسکے نیم اندھیرے میں غیر واضح نقوش دیکھتے اس نے ہاتھ بڑھا کر چہرے پر آئے بال پیچھے کیے تھے۔ہاتھ کی پشت سے دھیرے سے اسکا گال سہلا یا تو وہ ذرا سا کسمسائی تھی۔میسم نے ہاتھ کی جنبش روک دی۔وہ پر سکون ہوتی ساکن ہوئی

تھی۔کچھ دیر بعد اس نے پھر سے وہی عمل دوہرایا تھا اور ایسا کرتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر شریر سا تبسم کھیل رہا تھا۔شانزے کی آنکھ کھلی تھی۔مندی مندی آنکھوں سے اس نے سامنے دیکھا تھا۔پہلا جھٹکا اپنے ہاتھ کے اسکے گال پر ٹھہرے ہونے سے لگا تھا اور دوسرا میسم کے اپنے گال پر رینگتے لمس سے۔آنکھیں پھاڑ کر اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا جواب اسکے چہرے کو بغور دیکھ دیکھ رہا تھا۔شانزے نے اپنا ہاتھ کھینچنا چاہا تھا جس پر میسم نے سختی سے اپنی گرفت کرتے اسکی کوشش ناکام بنائی تھی۔وہ حواس باختہ سی دھڑکتے دل کے ساتھ اسکی اس جسارت پر ساکت وجامد رہ گئی تھی۔اور اگلے ہی پل وہ اسے اپنی طرف کھینچ کر مزید حیران ہونے کا موقع دیے بنا اپنے اور اسکے درمیان ہر فاصلہ مٹا گیا تھا۔

"کہا تھا نا اپنی بنائی باڑ سے اس پار مت آنا ورنہ نتائج کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔"اپنے کان کے پاس اسکی گرم سانسوں کے بیچ سرسراتی جذبوں سے بوجھل، مخمور کن سی خموشی نے اسکے اوسان خطا کیے تھے۔

اسکی پیش رفت پر شانزے نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی اور اسکے خود سپردگی کے اس احساس نے میسم کے لبوں پر جان فزا تبسم بکھیرا تھا۔اسکی گرفت میں نرمیوں کی

حلاوتیں گھلنے لگی تھیں ۔قطرہ قطرہ بیتتی رات میں ان دونوں کے رشتے میں ایک نئ شروعات ہوئی تھی۔

. . . .

.

اگلے ویک اینڈ سجاد آفندی، علی اور شیریں بچوں کے ہمراہ محمود آفندی کی عیادت کے لئے آئے تھے۔ علی اور شیریں ویک اینڈ کی چھٹیوں میں آئے تھے۔انکی واپسی دو دن بعد ہونی تھی جبکہ سجاد آفندی کچھ دن رکنے کا ارادہ رکھتے تھے۔گھر میں اچھی خاصی رونق سی لگ گئی تھی۔بہت دنوں بعد محمود آفندی بھی کمرے سے نکل کر باہر لان میں دھوپ میں بیٹھے نظر آئے تھے۔صفا اور صفوان بلی کے بچے کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔مگر صرف شانزے سے مانوس جیزی ان بچوں کی آمد پر کچھ بے سکون سا لگتا تھا اسی لئے انکے اپنے قریب آنے پر پلانٹس کے پیچھے تو کبھی پورچ میں چھپتا پھر رہا تھا۔ میسم اور شانزے کو ایک ساتھ دیکھ کر سجاد آفندی کے دل میں بھی ڈھیروں سکون پھیلتا چلا گیا تھا۔دل کو لاحق خدشات دم توڑنے لگے تھے۔

اس وقت وہ رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔شانزے کے ساتھ شیریں بھی لگ پڑی تو صائمہ کچھ دیر کے لئے باہر لاؤنج میں جا بیٹھیں جہاں باقی سب موجود تھے۔

"اور جیٹھانی جی کیا پروگریس ہوئی آپ کی طرف۔"

شیریں کے شرارت بھرے انداز میں پوچھے سوال پر شانزے ہنسی۔

"کیا شیریں بھابھی۔اتنا بھاری بھر کم لفظ تو استعمال نہ کریں میرے لئے۔میں شانزے ہی ٹھیک ہوں۔"

سنک میں رکھے برتن دھو کر وہ اسٹینڈ پر رکھ رہی تھی۔شیریں نے مسکراتے ہوئے سلاد بناتے اس کی جانب دیکھا تھا۔

بھئی میں نے سوچا تم یہ نہ کہو میں نے رشتے کا لحاظ نہیں کیا؟عمر میں چھوٹی سہی رشتے میں بڑی ہوگئی ہیں اب آپ۔"آخری پلیٹ ٹھکانے لگاتی وہ ہاتھ خشک کرتی اسکے پاس ہی ٹیبل کے گرد بیٹھ کر، میکرونیز میں ڈالنے کے لئے بوائل کیے انڈوں کے چھلکے اتارنے لگی تھی۔

"معاف کریں مجھے ایسے لحاظ سے۔"سر کو جھٹک کر منہ بنا کر کہا گیا تھا۔

"چلو معاف کیا لڑکی کیا یاد کرو گی۔اب یہ بتاؤ میرے جیٹھ جی سے کوئی انڈرسٹینڈ نگ ڈویلپ ہوئی کہ نہیں؟"رازداری سے اسکی طرف جھک کر پوچھا گیا تھا۔شانزے نے مصنوئی انداز میں اسے گھورا۔

"ہو گیا ہے کچھ گزارا۔"اپنے جواب پر وہ خود بھی دبا دبا سا مسکرائی تھی۔

"صرف گزارا؟۔۔۔" شیریں نے آنکھیں پھیلائیں پھر تاسف سے سر کو جنبش دی

۔

"بہت کوئی سست لڑکی ہو شانزے۔ لوگ تین چار ماہ میں کون کون سے سنگ میل عبور کر جاتے ہیں اور تم یہاں ابھی صرف گزارا کر رہی ہو۔" وہ اسے ملامت کر رہی تھی۔

"مثال کے طور پر۔" بنا سر اٹھائے وہ اپنے کام میں مگن رہی۔

"شادی کے بعد بس ایک ہی مثال ہوتی ہے بیٹا جی اور حرف عام میں اسے خوش خبری کہتے ہیں۔" شیریں کے ہنس کر کہنے پر شانزے کے ہاتھ تھم سے گئے تھے۔ اسکا چہرہ ذرا برابر شرم سے متغیر ہوا تھا۔ اگلے لمحے اسکی آنکھوں میں کوئی سرد سا تاثر جاگا تھا ۔ شیریں کی مسکراہٹ معدوم ہوئی تھی۔

"کیا ہوا تمہیں برا لگا میرا ایسا کہنا۔" اگلے ہی لمحے وہ خفت زدہ سی کہہ رہی تھی ۔ شانزے نے کھوئی کھوئی نظروں سے انکی طرف دیکھا۔ اگلے ہی لمحے خود کو سنبھالتی ہوئی وہ بے دلی سے مسکرا دی تھی۔

"ارے نہیں بھابھی۔ برا نہیں لگا بس ایسے ہی۔" وہ اسکے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے بشاش سے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ شیریں کا یوں شرمندہ ہونا اسے برا لگ رہا تھا۔

"یہ تو خدائی کام ہوتے ہیں۔جب اللہ کو منظور ہو۔"ہاتھ واپس لیتے وہ پھر سے اپنے کام میں لگ گئی تھی۔

"بالکل انشاءاللہ۔"شیریں کی شرمساری زائل ہوئی تھی۔شانزے مسکرادی۔

تبھی وہاں صفا آگئی تھی اور موضوع گفتگو بدل گیا تھا۔شانزے نے سکھ کا سانس لیا تھا ۔مگر دل اندر کہیں بجھ سا گیا تھا۔

رات سونے سے پہلے تک بھی اسکا رویہ میسم سے کھچا کھچا رہا تھا۔بات پہلے کی ہوتی تو شاید وہ محسوس نہیں کرتا مگر پچھلے کچھ دنوں سے وہ جس قدر نارمل اس کے ساتھ بی ہیو کر رہی تھی ایسے میں اب یہ رویہ اس نے بڑی جلدی بھانپ لیا تھا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟"رات سونے کے لئے لیٹتے وہ پوچھے بنا نہیں رہ سکا تھا۔

"مجھے کیا ہونا ہے؟"لٹھ مار سے لہجے میں سوال کے بدلے سوال کیا گیا تھا۔

"وہی تو پوچھ رہا ہوں۔"اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔شانزے نے نظر بھر کر اسکا چہرہ دیکھا پھر اپنا ہاتھ غیر محسوس کن انداز میں اسکے ہاتھ سے نکالتے ہوئے ساتھ نظریں بھی چرالیں۔

"تھک گئی ہوں شاید۔"اداسی سے کہتے وہ کروٹ بدل گئی تھی۔میسم نے اسکی تھکاوٹ کا احساس کرتے اسے مزید نہیں چھیڑا تھا۔مگر ذہن تھا جو بار بار الارم دے رہا تھا سب

ٹھیک ہونے کے باوجود بھی کچھ ہے جو ٹھیک نہیں ہے اور وہی کچھ اسکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ چت لیٹے وہ بھی سونے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

بہت دیر بعد شانزے نے کروٹ بدلی تھی۔ میسم سو گیا تھا۔ نیم اندھیرے میں اسکی سانسوں کے زیر و بم اسکی گہری نیند کے غماز تھے۔ گال کے نیچے ہاتھ رکھے وہ کتنی دیر اداس مگر خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ پہلے اس سے صرف چڑ تھی ،ناپسندیدگی تھی۔ تو سب ٹھیک تھا کم از کم دل بے سکون تو نہیں تھا۔ اب جب وہ اچھا لگنے لگا تھا تو دل و دماغ میں جنگ سی چھڑ گئی تھی۔ ایک اپنی طرف کھینچتا تھا دوسرا اپنی طرف۔ اور وہ ان دونوں کے درمیان کسی پنڈولم کی طرح جھول رہی تھی۔ دل کا دو حصوں میں بٹ جانا بھی عذاب تھا۔ اس معاملے میں وہ بے بس تھی میسم عبّاس کے ماضی کے قد آور بھیانک سائے شانزے کو اپنی لپیٹ میں لے کر اسکے حال پر اثر انداز ہو رہے تھے۔

. . . .

شیریں میسم کے کہنے پر اس کے لئے سٹار شیپ کا بالکل ہو بہو کرسٹل شو پیس لائی تھی جسے وہ کراچی سے ہی لے کر آیا تھا اور وہ شانزے کی بے دھیانی کی نذر ہوا تھا۔ آج صبح ہی میسم کو شیریں نے وہ اسکے سامنے ہی دیا تھا اور اب وہ میسم کی بیڈ سائیڈ ٹیبل پر سجا

دکھائی دے رہا تھا۔اسے دیکھ کر شانزے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی تھی ۔پاس آکر رکتے اس نے اسے ہاتھ میں لیا تھا اور تبھی دروازے سے میسم اندر داخل ہوا تھا۔

"اب ایسا کچھ مت کرنا شانزے۔" اسے دیکھ کر وہ وہیں سے وارننگ دیتا چلا یا تھا ۔شانزے بری طرح چونکی تھی۔اسکا ہاتھ لرزا تھا۔شوپیس گرنے ہی لگا تھا جسے اس نے دونوں بازو جوڑ کر خود سے لگاتے زمین پر سجدہ ریز ہونے سے بچایا تھا۔میسم کا اٹکا سانس بحال ہوا تھا۔شانزے نے بھی آنکھیں میچ کر پر سکون سانس خارج کرتے احتیاط سے اسے ہاتھ میں لیا تھا۔واپس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر وہ شکایتی نظروں سے اسے گھور کر رہ گئی۔

"ابھی آپ کی وجہ سے ٹوٹ جانا تھا۔" میسم چلتا ہوا آگے آیا تھا۔

"میں ڈر گیا تھا کہیں اپنی چس کے چکر میں تم ایک بار پھر اس پر ظلم نہ ڈھادو۔شیریں بتا رہی تھی بڑی مشکل سے ملا ہے۔" وہ مسکرا کر اسے چھیڑ رہا تھا۔شانزے کو بھی ہنسی آئی تھی جسے اس نے روکا تک نہ تھا۔کل رات کی دلی کدورت منٹوں میں زائل ہوئی تھی۔وہ آج کل انہیں متضاد کیفیات کا شکار تھی۔

"اب کہاں کچھ توڑتی ہوں میں۔دیکھیں کتنے مہینے ہوئے کوئی ایک بھی چیز توڑی اس کمرے کی میں نے؟۔بلکہ وہ بک ریک پر رکھے شوپیس بھی میں لائی تھی۔"اس نے بک ریک کے اوپر رکھے سمندری رنگ کے نیلے کرسٹل کے دو ہنسوں کے جوڑے کی طرف اشارہ کرتے جتایا تھا۔

"توڑے بھی تو کتنے ہیں۔اوران میں سے کہیں تو ایسے تھے جو میں نے بچپن میں اپنی پا کٹ منی میں سے خریدے تھے۔کتنی ظالم تھی تم یار بے جان چیزوں کو توڑ پھوڑ کا نشانہ بناتی رہی ہو۔میرا تو دل ہی توڑ دیا تھا تم نے جب میں واپس آیا تھا اور آگے کمرے کا صفایا ہو چکا تھا۔"بیڈ پر بیٹھتا وہ اسکی جانب دیکھ افسوس سے گردن ہلا رہا تھا۔

"چچ چچ میسم عبّاس صاحب۔آپکا دل تو بڑا نازک واقع ہوا ہے ذرا ذرا سی بات پر ٹوٹ جاتا ہے۔کہیں تو ایلفی لا کر جوڑ دوں؟"ابرو اچکا کر ہنسی دبائے وہ سینے پر ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔میسم نے لو دیتی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔ہاتھ بڑھا کر اسکا بازو تھاما ،اگلے لمحے ایک جھٹکے سے وہ اسکے پہلو میں بیٹھی تھی۔

"ایلفی کی کیا ضرورت ہے تم اپنی محبت سے جوڑ دو۔"اسکی طرف جھک کر گردن ترچھی کیے میسم کی گھمبیر آواز اور جذبوں سے بوجھل لہجہ کان کے پیچھے بال اڑستی

شانزے کی سٹی گم کر گئے تھے۔ تھوک نگل کر اس نے اپنے دل کی غیر ہوتی دھڑکن کو اپنے کانوں میں دھڑکتے سنا تھا۔

"پھر کیا کہتی ہو؟" اسکے خموشی سے نظریں چرانے پر میسم نے دلچسپی سے اسکے چہرے پر بکھرے رنگوں کو دیکھا تھا۔ ویسے تو وہ بڑی توپ چیز تھی مگر اسکے ذرا سے لطیف جملے اور پیش رفت پر بھیگی بلی بن جاتی تھی۔ اسکا شرمانا، نظریں چرانا میسم کے لیے انوکھا سا احساس تھا۔ خوش کن، دل کو لبھانے والا۔

"تم کچھ بول نہیں رہی۔ کچھ تو کہو۔ ویسے تو زبان کے آگے خندق ہے تمہارے اب بھی کچھ بول دو منہ سے۔" اپنا شانہ اسکے شانے سے ٹکراتے وہ اسے اکسا رہا تھا۔ اسکے طنز کرنے جیسے انداز پر شانزے نے ساری شرم و حیا کو ذرا سائیڈ پر کر کے کینہ پرور نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"مجال ہے جو کبھی مجھے سامنے دیکھ کر آپ کے منہ سے کچھ اچھا نکلا ہو میسم۔ دوسروں کے شوہر ہوتے ہیں اتنی پیاری بیوی سامنے ہو تو منہ سے اتنی خوب صورت رومینٹک باتیں جھڑتی ہیں کہ بیوی کا دل باغ باغ ہو جائے اور ایک آپ ہیں جب بھی بولیں گے طنز کے نشتر ہی برستے ہیں۔" وہ ایک بار پھر اپنی جون میں واپس آچکی تھی۔

"تو تم چاہتی ہو میں تم سے رومینٹک باتیں کروں؟" سر ہلا کر سمجھنے کے سے انداز میں وہ بولا تو شانزے کا منہ کھلا۔ خفیف سی ہو کر اس نے پہلو بدلا تھا۔ جذبات میں آکر اس نے غلط پتہ کھیل دیا تھا شاید۔

"نہیں میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا۔" گڑ بڑا کر وضاحت کی۔

"لیکن ابھی میں نے ایسا ہی سنا شانزے۔" اسکے معصوم بن کر کہنے پر وہ تپ سی گئ تھی۔

"آج کل آپ کچھ زیادہ ہی سننے لگے ہیں میسم۔ میری ماما کو خواہ مخواہ آپ بڑے سلجھے ہوئے اور شریف سے لگتے ہیں۔ آپکا نام میسم نہیں میسنا ہونا چاہیے تھا۔ میں تایا ابو سے شکایت کروں گی انہوں نے آپ کے نام کے ساتھ اتنی بڑی زیادتی کیوں کی۔" چڑ کر تیز تیز بولتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ جب ہنستا ہوا میسم بھی ساتھ ہی تیزی سے کھڑا ہوا تھا۔

"تم جو بھی کہہ لو اب مگر میں تمہاری یہ حسرت پوری کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ کل کو تم ابو سے میری یہ شکایت بھی لگا سکتی ہو کہ آپ کے بیٹے نے کبھی مجھ سے رومینس ہی نہیں کیا۔ اور میں تو ویسے بھی انکی نظروں میں آیا رہتا ہوں تم شکوہ کرو گی تو میری خیر نہیں پھر۔" وہ اب صرف اسے تنگ کرنے کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔ اپنے دونوں ہاتھ

اسکی کمر کے گرد باندھے وہ سنجیدہ سا لگتا تھا۔شانزے نے روہانسی ہو کر اسکی طرف دیکھا تھا۔

"توبہ توبہ۔۔۔۔ایسی لگتی ہوں میں آپ کو؟تایاابو سے ایسی بات کہوں گی جا کر میں تاکہ ماما میرا اپنے ہاتھوں سے گلا دبا دیں۔"

اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے وہ پر شکوہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔میسم نے اسکی شکل دیکھ کر قہقہہ لگایا تھا۔پھر آگے کو جھک کر اسکی پیشانی چوم ڈالی تھی۔

"اب تم ٹھیک لگ رہی ہو۔"نرمی سے اسے خود سے لگاتے اگلے لمحے وہ اس سے فاصلے پر ہو گیا تھا۔

"باہر آجاؤ اب۔علی اور شیریں نکلنے لگے ہیں۔"کہتا ہوا وہ واپس مڑ گیا تھا۔ہلکے ہوتے دل کے ساتھ وہ مسکرا دی تھی۔دو حصوں میں بٹا دل پھر سے جڑنے لگا تھا۔ایک ہونے لگا تھا جس میں میسم عبّاس کے لئے اس لمحے میں کوئی بد گمانی،کوئی کدورت نہیں تھی ۔وہ اسے محبت کا نام نہیں دینا چاہتی تھی مگر کوئی اچھوتا سا احساس ضرور تھا جو اسکے دل کو جکڑ رہا تھا۔میسم سے باندھ رہا تھا۔

. . . .

.

پھر یوں ہوا کہ بہت سی لا معنی سوچوں کے در شانزے نے خود پر بند کر دیا تھا۔ سبرینہ کی باتیں بھی ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتی تھی۔ وہ خوش تھی ۔ محمود آفندی اور صائمہ ان دونوں کو ایک ساتھ خوش دیکھ کر نہال تھے۔ محمود آفندی کو اپنے فیصلے پر اطمینان سا ہو گیا تھا۔ شانزے اور میسم دونوں کے حق میں انکا فیصلہ درست ثابت ہوا تھا۔

سب ٹھیک جا رہا تھا جب اچانک شانزے کے رویے میں غیر محسوس انداز میں بدلاؤ سا آنے لگا تھا۔ وہ کچھ بجھی بجھی سی رہنے لگی تھی۔ میسم سے ٹھیک سے بات بھی نہیں کر رہی تھی۔ ہر وقت کھوئی کھوئی سی رہتی تھی۔ میسم اس سے پوچھ پوچھ کر تھک گیا تھا مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

اس شام وہ جلدی آفس سے واپس آ گیا تھا۔ صائمہ نے بتایا تھا شانزے گھر پر نہیں ہے ۔ اپنی دوست سے ملنے گئی ہے۔ حیران کن بات یہ تھی وہ اسے بتا کر نہیں گئی تھی ۔ ورنہ کچھ ماہ سے وہ سبرینہ کے ساتھ مارکیٹ بھی جاتی تو اسے کال یا میسج کر کے بتاتی ضرور تھی۔ میسم وہیں لاؤنج میں ٹی وی کے آگے بیٹھ گیا تھا جب تھکی ہوئی سی وہ چہرے پر پریشانی کے تاثرات لئے اندر داخل ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر لمحہ بھر کو وہ ٹھٹک کر رک

سی گئی تھی۔رنگت میں ہلکا سا تغیر بھی برپا ہوا تھا۔ہاتھ کی گرفت شولڈر بیگ پر سخت ہوئی تھی۔پھر وہ سنبھل کر آگے بڑھی تھی۔

"کہاں گئی تھی شانزے؟"اسکے آہستگی سے دیے سلام کا سر ہلا کر جواب دیتے میسم نے وہیں بیٹھے اس کو بغور دیکھتے پوچھا تھا۔وہ اسکے پاس سے گزرتی رک گئی تھی۔

"اپنی دوست کی طرف۔ماما کو بتا کر گئی تھی۔"بنا اسکی طرف دیکھے وہ آہستگی سے بولتی آگے بڑھ گئی تھی۔

میسم نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔اسکے چہرے پر سوچ کے گہرے سائے امڈ آئے تھے۔

اور کچھ دن بعد اسکے مبہم سے رویے کا راز بھی کھل گیا تھا۔محمود آفندی کی میڈیسنز لانی تھیں۔جن کا تحریری نسخہ شانزے کے پاس تھا۔وہ اور صائمہ دونوں ہی سبرینہ کی طرف گئی ہوئی تھیں۔میسم نے اسکا بیگ چیک کیا تھا کہ اس کے سامنے شانزے نے نسخہ بیگ میں رکھا تھا۔اور اندر سے جو برآمد ہوا تھا اسے دیکھ کر انکی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔وہ پریگننسی ٹیسٹ کی پازیٹو رپورٹ تھی جو آج سے آٹھ دن پہلے کی تھی ۔میسم کا دماغ بھک سے اڑا تھا۔پچھلے کہیں دن سے شانزے کا اکھڑا اکھڑا انداز اب اسکی سمجھ میں آرہا تھا۔وہ دس سال پیچھے چلا گیا تھا تب بھی تو ایسا ہی ہوا تھا۔

شانزے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ پہلے سے وہیں موجود تھا۔اسے ایک نظر دیکھ کر ہی وہ اپنی جگہ دہل گئی تھی۔ سرخ ہوتی آنکھوں میں سرد مہری کی رمق بڑی واضح تھی ۔چہرے پر سنجیدگی کے ساتھ دباد باسا غصہ بھی تھا۔ بھینچے ہوئے جبڑے اور گردن کی پھولی ہوئی رگ اسے خوفزدہ کر رہے تھے۔اس نے میسم کو ایسے صرف ایک بار دیکھا تھا۔دس سال پہلے مگر وہ لمحے اسے آج بھی یوں ازبر تھے کہ وہ ایک نظر میں ہی اسکے غیض وغضب کو بھانپ گئی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے اسے اپنی ٹانگیں بے جان لگی تھیں۔وہیں پاس ہی دیوار کا سہارا لئے وہ زرد رنگت کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی جو اب قدم قدم چلتا اس تک آیا تھا۔اس کے ہاتھ میں موجود لفافے کے اوپر ہوسپٹل کا نام بڑا واضح لکھا ہوا تھا۔شانزے کو اپنی سانس رک رک کر چلتی محسوس ہوئی تھی ۔آنکھوں میں کچھ بھرتا چلا گیا تھا جو نمی بن کر آنکھیں ڈبڈبا گیا تھا۔اتنی کہ آنسو گال پر بہنے لگے تھے۔

"مجھ سے کیوں چھپایا؟" وہ قہر آلود نظروں سے اسے دیکھتا بھینچے جبڑوں کے ساتھ سرد آواز میں پوچھ رہا تھا۔سامنے کھڑی شانزے کا رنگ فق ہو چکا تھا۔خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے اس نے اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو گلے میں گھلتا محسوس کیا تھا۔

"کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے مجھے کیوں نہیں بتایا؟" اسے اتنا غصے میں دیکھ اسکی سانس خشک ہونے لگی تھی۔ گلے سے دبی دبی چینخ برآمد ہوئی۔

"تمہیں یہ بچہ نہیں چاہیے۔ تم مارنا چاہتی ہو اسے؟" وہ شک بھری نظروں سے اسے دیکھتا جیسے کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔ منظر وہی تھا، وہ بھی وہی تھا بس سامنے کھڑا چہرہ بدل گیا تھا۔ شانزے بے یقینی سے دنگ کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی۔ اسکا وجود اب ہولے ہولے لرزنے لگا تھا۔

"بولو اب۔۔۔۔ بول کیوں نہیں رہی ڈیم اٹ۔" سلگتی آواز میں وہ چینخا تھا۔

"آپ اسے بھی مار دیتے۔" آنکھیں میچ کر خوف سے پیلی پڑتی وہ گھٹی ہوئی آواز میں کہتی اسے ششدر چھوڑ گئی تھی۔ اپنی جگہ جہاں کا تہاں کھڑا وہ برف کا مجسمہ بنا تھا۔ یخ ٹھنڈی مگر جلا دینے والی برف۔ آنکھوں سے لپکتی غصے کی چنگاریوں میں کرب کی سیاہی گھلتی انھیں ویران کر گئی تھی۔ دبا دبا گھٹن آمیز سانس خارج کرتے وہ دھیرے سے سیدھا ہوا تھا۔ ایک طویل خاموشی تھی جو فضا میں افسردگی سے پھیلتی چلی گئی۔ چہرے پر ایک آنسو کی کھچتی لکیر کے ساتھ وہ رک رک کر سانس لیتی ابھی بھی آنکھیں بند کیے ہوئے تھی۔

"میں سانپ ہوں جو اپنا ہی بچہ کھا جاتا؟" وہ آواز کس قدر بے جان سی معلوم ہوتی تھی ۔وہ جو اسکے غضبناک ہونے کی منتظر تھی۔اسکی گھن گرج کے لئے خود کو تیار کیے بیٹھی تھی۔آہستگی سے آنکھیں کھول کر ڈرتے ہوئے اسکی جانب دیکھنے لگی جس کی سر سراتی آواز میں گلہ تھا تو چہرے پر بے پناہ غم و غصے کی پرچھائیاں۔مگر کچھ اور بھی تھا وہاں وہ جانچ نہیں پارہی تھی۔وہ صدمے کی کیفیت تھی۔جیسے اسے امید نہ ہو وہ یہ کہے گی۔ شانزے روتے ہوئے وہیں زمین پر بیٹھتی گئی۔سامنے کھڑے میسم نے ایک قدم بھی پیچھے نہیں کیا تھا یہاں تک کہ شانزے کے گھٹنے میسم کے لیدر کے سلیپرز میں مقید پاؤں کو چھونے لگے تھے۔

"آپ نے پہلے بھی تو ایسے ہی کیا تھا فریحہ بھابھی کے ساتھ۔ان کا بے بی بھی مار دیا تھا آپ نے۔میرے بے بی کے لئے ایسا سوچیے گا بھی مت۔" وہیں گھٹنوں پر سر رکھتے وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ بول رہی تھی اور میسم عباس کا چہرہ ہر گزرتے پل سفید لٹھے کی مانند پڑتا جارہا تھا۔بے حس و حرکت،بنا کسی جنبش کے وہ کتنی دیر کھڑا رہا تھا۔خاموش اور سپاٹ چہرہ لئے۔آنکھوں کی لالی میں خطرناک حد تک اضافہ ہوا تھا۔کمرے میں

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews
Zubinovelszone.com

اب صرف شانزے کی دبی دبی سسکیاں گونج رہی تھیں۔بہت دیر بعد وہ اسکے سامنے سے برق رفتاری سے ہٹتا واش روم میں بند ہو گیا تھا۔

شانزے گھٹنوں پر سر رکھے بنا چہرہ اٹھا کر اسے دیکھے یوں ہی بیٹھی رہی تھی۔

اس دن کے بعد سے ایک سرد سی جنگ تھی جو ان دونوں کے درمیان چھڑ گئی تھی ۔کچھ باتوں کا ان کہا رہنا بھی ضروری ہوتا ہے۔کہہ دینے سے بھرم کھو جاتا ہے۔ان دونوں کے درمیان رشتے کا بھی جیسے بھرم کھو سا گیا تھا۔میسم بالکل خاموش ہو گیا تھا۔کمرے کے اندر ہوتے وہ اسے یوں نظرانداز کر دیتا جیسے اس نے سرے سے اسے دیکھا ہی نہ ہو۔اپنے کسی کام تک کے لیے وہ اس سے مخاطب نہیں ہو رہا تھا تو اس خلیج کو پر کرنے کی کوشش شانزے نے بھی نہیں کی تھی ۔شانزے کو موہوم سی امید تھی کہ شاید وہ اس سے اعتراف کرلے گا۔وہ اسے یقین دلانے کی کوشش کرے گا کہ ماضی میں جو غلطی اس نے کی وہ ایک بار پھر سر زد نہیں کرے گا۔وہ بدل گیا ہے اور وہ اسکے اور اپنے آنے والے بچے کے ساتھ ایک نئی زندگی کی شروعات چاہتا ہے۔دل تھا کہ اسے معاف کرنے کے بس بہانے ڈھونڈ رہا تھا اور دماغ تھا کہ بار بار سرزنش کر رہا تھا۔

وہ نہیں بدلا تھا۔ سبرینہ کے اس کو لے کر سارے خدشات درست تھے۔اسکی ساری اچھائی صرف ایک ڈرامہ تھی۔ان دو یکسر الٹ کیفیات کے درمیان جھولتے وہ تھکنے لگی تھی۔ میسم کی ایک بار پھر سے مجرمانہ خموشی اسے اس سے متنفر کر گئی تھی۔

محمود اور صائمہ کے سامنے بالکل نارمل بیہیو کرتے ان دونوں کے درمیان کچھ بھی نارمل نہیں رہا تھا۔ میسم کی مصروفیات یک لخت بڑھ گئی تھیں یا اس نے خود بڑھالی تھیں۔ مگر ایسا ہوا تھا وہ گھر سے زیادہ دیر تک غائب رہنے لگا تھا۔

اور انکے رشتے کی بڑھتی دراڑوں میں آخری شگاف اس دن پڑا تھا جو محمود اور صائمہ کے سامنے بھی ان دونوں کا بھرم لے ڈوبا تھا۔

صبح ناشتے کی ٹیبل پر صائمہ میسم سے اسکی مصروفیت کا گلہ کر رہی تھیں جس کے جواب میں اس نے بتایا تھا آج کل وہ حقیقتاً بزی ہے کچھ دن تک روٹین پہلے جیسی ہو جائے گی ۔شانزے نے سر اٹھا کر اسکی طرف دیکھا تک نہ تھا وہ یوں ہی بیٹھی رہی تھی۔ میسم کے علم ہو جانے کے بعد اس نے صائمہ کو بھی اس خوش خبری کا بتادیا تھا۔ گھر میں خوشی کی اک نئی لہر سی دوڑا اٹھی تھی۔ کراچی سے شیریں کی کال بھی آئی تھی وہ بے حد خوش تھی۔سب ھی اپنی خوشی کا جی بھر کے اظہار کر رہے تھے۔اور تو اور سبرینہ نے بھی اسے مبارکباد دی تھی۔بس ایک وہی تھا جو کچھ بھی کہنے پر آمادہ نہیں تھا۔ شانزے کا

دل کچھ اور دھواں دھواں ہونے لگا تھا۔ صد شکر مژدگی اور بے زاری بھری کیفیت کو اسکی حالت سے جوڑا جا رہا تھا یوں وہ بہت سے سوالوں کی زد میں آنے سے بچ گئی تھی

۔

اس دن سبرینہ آئی تھی۔ اسے مارکیٹ جانا تھا اپنے ساتھ ساتھ وہ شانزے کو بھی گھسیٹ لائی تھی۔ سبرینہ اپنے لئے کپڑے دیکھ رہی تھی اور وہ بے دلی سے یہاں وہاں نظر دوڑا رہی تھی جب اسکی نظر سامنے والی لیڈیز کاسٹیوم کی آؤٹ لٹ پر پڑی تھی اور پھر پلٹنا بھول گئی تھی۔ دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے مسکراتا ہوا وہ میسم ہی تھا جو ساتھ کھڑی گولڈن رنگ کے باب کٹ بالوں والی اس لڑکی کے ہنس کر کہی کوئی بات سنتا اس کے دکھائے ڈریس کو دیکھ رہا تھا۔ شانزے کے اندر دور کہیں چھناکے سے کچھ ٹوٹا تھا اور بری طرح ٹوٹا تھا۔ سبرینہ جو ایک کرتا دکھانے اس تک آئی تھی اسے یوں بت بنا دیکھ کر اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا تھا۔ کچھ حیرانگی سے دیکھتے اسکی آنکھوں میں استہزائی رنگ امڈ آئے تھے۔

"نظر رکھو اپنے شوہر پر شانزے۔ کہیں ایک بار پھر سے وہ کوئی نیا جزیرہ دریافت کرنے نہ نکل پڑا ہو۔" سر جھٹک کر تلخی سے کہتی وہ واپس مڑ گئی تھی مگر شانزے کے دل میں اک آگ سی سلگا گئی تھی۔ جس کی لپیٹ میں ہر چیز آتی گئی تھی۔

شام وہ جب آفس سے واپس آیا اس وقت شانزے لاؤنج میں صوفے پر دونوں پیر اوپر کیے بیٹھی تھی۔ میسم کی اک سرسری سی نگاہ اس پر پڑی تھی اگلے ھی پل نگاہ پھیر کر وہ آگے بڑھنے کو تھا۔

"کہاں تھے آج آپ؟" سوال غیر متوقع تھا اور انداز اس سے بھی زیادہ۔ اتنے دنوں بعد وہ اکیلے میں اس سے مخاطب تھی ۔ میسم رک گیا تھا پلٹ کر اسے دیکھا جو گلابی ڈوروں سے مزین آنکھوں میں عجیب سی سرد مہری لئے ہوئے تھی۔ ستے ہوئے چہرے پر سجا تاثر بھی بہت ٹھنڈا سا تھا۔

"آفس۔" یک لفظی جواب پر شانزے کھول اٹھی تھی۔

"آپ کا آفس شہر کے مال کی لیڈیز آؤٹ لٹ میں کب سے منتقل ہو گیا میسم۔" ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوتی وہ تلخی پر اتر آئی تھی۔ میسم نے آنکھیں چھوٹی کرتے ماتھے پر شکنوں کا جال لئے اسکے بدلحاظی بھرے انداز ملاحظہ کیے تھے۔

"تم کہاں تھی؟ اور یہ کون سا انداز ہے بات کرنے کا۔" وہ اب بھی پر سکون سا کھڑا اسکی بدتمیزی پر باز پرس کر رہا تھا۔ یعنی اسے ذرا اپنے پکڑے جانے کا ڈر خوف باقی نہیں رہا تھا۔

"وہیں تھی جہاں آپ اس پر کٹی کبوتری کو بغل میں لئے گھوم رہے تھے۔گھر میں جس مصروفیت کا ڈھنڈورا پیٹ رکھا ہے آپ نے۔یہی وہ مصروفیت ہے نا آپ کی؟" باوجود کوشش کے آنکھیں بھرنے لگی تھیں۔میسم نے ناگواری سے اسکے درشت لہجے اور طنزیہ انداز پر ضبط کرتے اسے تنبیہی نظروں سے دیکھا تھا۔

"فضول بکواس مت کرو شانزے۔تم کچھ نہیں جانتی اس لئے منہ بند رکھو۔"

"اب بھی میں کچھ نہیں جانتی؟اتنا سب جانتی تو ہوں آپ کے بارے میں۔مزید کچھ جاننے کی طلب بھی نہیں تھی مگر آپ کو تو عادت سی ہو گئی ہے ہر کچھ عرصے بعد ایک نیا چاند چڑھانے کی۔"

وہ اسکی بات حقارت سے کاٹ گئی تھی۔میسم نے جبڑے بھینچ کر اسے سخت نظروں سے دیکھا تھا۔

ہاتھ میں پکڑا آفس بیگ صوفے پر پھینکنے کے سے انداز میں رکھتا وہ دو قدم اسکی طرف لیتا تن کر کھڑا ہوا۔

"ایسا بھی کیا دیکھ لیا ہے تم نے جو یہ سب بکواس کر رہی ہو؟۔کل کو کسی بھی راہ چلتی کے ساتھ دیکھ کر تم یوں ذہنی مریض قسم کی شکی بیویوں کی طرح بی ہیو کرو گی۔" دبے

دبے لہجے میں وہ اپنے غصے کو دبائے ہوئے تھا جو چہرے پر سرخی کی صورت ظاہر ہونے لگا تھا۔

"آپ کے کرتوت ہی ایسے ہیں میسم ابھی نہیں تو بہت جلد میں ذہنی مریضہ بن ہی جاؤں گی۔آپی ٹھیک کہتی ہیں آپ کی فطرت کبھی نہیں بدلنے والی۔آپ کو عادت ہو گئی ہے کپڑوں کی طرح عورتیں بدلنے کی۔" تنفر سے کہتے اسکی آواز بھرا گئی تھی ۔میسم نے مٹھیاں سختی سے بھینچ کر اسے آگ برساتی نظروں سے دیکھا تھا مگر وہاں ڈر کسے تھا۔

"تمہیں پتہ ہے شانزے بی بی تمہارا مسئلہ کیا ہے۔تم عقل سے بالکل پیدل ہو۔چابی والی گڑیا۔جسکی اپنی کوئی سوچ نہیں ہے بس تمہاری آپی تمہیں جس طرف چابی دے دیتی ہے تم اسی طرف بنا سوچے سمجھے چل پڑتی ہو۔اور وہ عورت اسے ذرا شرم چھو کر نہیں گزری۔چاہتی کیا ہے وہ مجھ سے ؟بس بہت لحاظ ہوا اب اس سے بھی دو دو ہاتھ کر کے ہی رہوں گا میں۔زندگی عذاب بنا کر رکھ دی ہے تم دو بہنوں نے میری۔" پہلو پر ہاتھ جمائے وہ خطرناک تیور لئے ہوئے تھا۔

"آپی کو بیچ میں مت لائیے۔" وہ چینخی تھی۔

"کیوں نہ لاؤں؟وہی تو ہمارے بیچ میں شروع دن سے کھڑی ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے مجھے علم نہیں ہے جو زہر وہ تمہارے ذہن میں میرے لئے گھولتی ہے۔آج میں چاچو سے خود بات کروں گا اس کے بارے میں۔"اسی کے سے انداز میں اسکی بات کاٹ کر وہ دوبدو بولا۔

"جب انسان کے پاس اپنی صفائی میں کہنے کو کچھ نہ ہو تو وہ یوں ہی دوسروں پر چڑھائی شروع کر دیتا ہے۔"سینے پر ہاتھ باندھ کر وہ سرخ ہوتی ناک اور آنکھوں سے بہتے پانی کے ساتھ چلائی تھی۔میسم نے اسکا بازو پکڑ کر اسے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔اسکی اپنے بازو پر جارحانہ گرفت،اسکا غصے سے سرخ پڑتا چہرہ اور تنے ہوئے نقوش شانزے کو ایک لمحے کو ساکن کر گئے تھے۔وہ گھر میں اکیلی تھی۔اس نے سامنے کھڑے شخص کو اپنی پہلی بیوی کو زدوکوب کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔اور اگر آج وہ اس پر ہاتھ اٹھائے تو کیا کرلے گی وہ؟خوف نے اسکے دل کو کچھ یوں جکڑا تھا کہ ساری تیزی طراری ہوا ہوئی تھی آنکھوں میں خوف وہراس اور چہرے پر سراسیمگی لئے وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے اسکے گڈمڈ ہوتے چہرے کے نقش دیکھ رہی تھی۔

"کیا لگتا ہے تمہیں شانزے محمود۔میں کوئی پلے بوائے ہوں جسے عورتوں کا کریز ہے ؟یا اتنا ہی گرا ہوا شخص ہوں جو ہر دوسرے دن عورتیں بدلتا رہتا ہے۔مرد ہوں تو کیا

ٹوٹتے رشتے اثر انداز نہیں ہوتے مجھ پر؟۔ سمجھ کیا رکھا ہے تم نے مجھے۔میں نے آج تک تمہاری ہر بات کو تمہارا بچپنا سمجھ کر کبھی سیریس نہیں لیا۔مجھے لگتا تھا تم بہت صاف دل کی ہو۔جو دل میں ہے وہی زبان پر بھی ہوتا ہے۔ مگر تم تو بہت زہریلی نکلی ہو ۔اس دن بھی میرے بچے کو لے کر تم نے انتہائی فضول بکواس کی تھی۔میں نے برداشت کرلی۔مگر آج تو حد ہی ہو گئی ہے۔آخر کب تک چاچو چاچی کا لحاظ کرتے ہوئے میں تمہیں برداشت کرتا رہوں گا۔ہاں؟"ایک جھٹکے سے اسے چھوڑتا وہ چھبتی نظروں سے اسکا زرد پڑتا چہرہ دیکھ رہا تھا۔شانزے ذرا بھر لڑکھڑائی تھی۔اسے گرنے سے بچانے کے لئے میسم نے ہی ہاتھ بڑھا کر اسکا بازو تھامتے اسے بچایا تھا۔شانزے نے اڑی رنگت کے ساتھ اسے دیکھا تھا جس کے چہرے پر اسکے لئے کوئی رعایت نہیں تھی اور شاید دل میں بھی۔اگلے ہی پل وہ اپنا ہاتھ اسکے بازو سے ہٹا چکا تھا۔

"کوشش کرنا میرے سامنے مت آنا ورنہ سچ میں میں کچھ کر گزروں گا۔اور اگر اوپر والے پورشن یا میرے کمرے میں تم نے قدم بھی رکھا تو ٹانگیں توڑ دوں گا میں تمہاری ۔"بپھرے ہوئے انداز میں انگلی اٹھا کر اسے وارن کرتا جوں ہی وہ جانے کے لیے مڑا تھا اندرونی دروازے میں ایستادہ محمود اور صائمہ کے دنگ چہرے دیکھ کر بری طرح سے چونکا تھا۔شرمندگی کے احساس سے نظریں چراتا وہ اپنا بیگ اٹھائے لب

بھینچ تیزی سے سیڑھیاں عبور کر گیا تھا۔ متفکر سے چہرے کے ساتھ صائمہ آگے بڑھی تھیں صوفے پر بیٹھی چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر روتی شانزے کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا جس نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا پھر ان سے لپٹ کر اسکے رونے کی شدت میں اور اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اسکی پشت سہلاتے نظریں گھما کر صائمہ نے محمود صاحب کو دیکھا تھا جو متفکر اور پر سوچ سے نظر آتے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے تھے۔

. . . .

''میسم ناشتہ کر کے جاؤ بیٹا۔'' وہ خموشی سے نکل جانے کو تھا جب صائمہ کی آواز پر حجل سا رک کر انہیں سلام کرنے لگا۔ کل رات شانزے کمرے میں نہیں آئی تھی۔ اور نہ ہی وہ نیچے آیا تھا۔ کھانے کا بھی اس نے بھوک نہیں ہے کہہ کر منع کر دیا تھا۔ اب بھی بنا ناشتے کے آفس کے لئے نکلنے کو تھا جب صائمہ نے پیچھے سے اسے پکارا تھا۔ انکا سامنا کرتے اسے شرمساری ہو رہی تھی۔ شانزے پر اسے جتنا بھی غصہ سہی مگر ان دونوں کے سامنے وہ اس سے جھگڑ چکا تھا اسے اس بات کا افسوس تھا۔

"میں آفس میں کرلیتا چاچی۔" نظریں چرا کر دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا جب صائمہ نے اسے ٹوک دیا۔

"آج سے پہلے کبھی بنا ناشتے کے جانے دیا ہے کیا جو آج آفس میں کر لیتے۔ رات بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ اب آجاؤ ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" اسکے ناشتے کی ٹرے میز پر رکھتے وہ بالکل روزمرہ کے سے انداز میں اپنی محبت و شفقت کا اظہار کر رہی تھیں۔ میسم کی ندامت میں کچھ اور اضافہ ہوا تھا۔ ناشتہ کرتے ہوئے انکے پاس چائے کا کپ لے کر بیٹھتے وہ شعوری طور پر اب انکے کسی سوال، کسی بازپرس کے لئے الرٹ بیٹھا تھا مگر انہوں نے چھوٹی موٹی باتیں کرتے بھولے سے بھی کل شام کے واقعے کا ذکر نہیں کیا تھا۔ وہ ناشتہ کر کے اٹھنے لگا تھا جب محمود آفندی باہر سے آتے دکھائی دیے۔ اسکے سلام پر اسکا کندھا تھپتھپا کر وہ ساتھ والی کرسی پر بیٹھ چکے تھے۔

:میں چلتا ہوں اب۔" کچھ بے آرام سا ہوتا وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے بیٹا۔ خیر سے جاؤ اللہ حافظ۔" میز پر پڑا اخبار کھولتے محمود آفندی نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ چاہ کر بھی مسکرا نہیں سکا تھا۔ سر جھکا کر وہاں سے آگے بڑھ گیا تھا

۔

"تم نے میسم سے کچھ پوچھا تو نہیں؟" اسکے جانے کے بعد وہ بیوی سے استفار کر رہے تھے۔

"اتنی بھی بیوقوف نہیں ہوں اب محمود صاحب۔ داماد سے ایسی باتیں پوچھنا کہاں کی عقل مندی ہے۔ جب کہ شانزے کی جذباتیت سے آگاہ بھی ہوں۔ وہ کچھ بتانے پر آمادہ بھی نہیں ہے۔ بات کیا ہوئی دونوں کے بیچ اس کا بھی تو پتہ نہیں ہے ہمیں۔" وہ کل رات شانزے سے پوچھ پوچھ کر تھک گئی تھیں مگر اسکی چپ نہیں ٹوٹی تھی ۔کمرے میں جانے کا کہا تو وہ صاف مکر گئی تھی انہوں نے اسکے انکار کو کب خاطر میں لانا تھا ہاتھ پکڑ کر اوپر چھوڑ آتیں مگر محمود آفندی نے انہیں زبردستی کرنے سے روک دیا تھا۔

"ہوں۔۔۔۔ تم پتہ کرنے کی کوشش کرو شانزے سے۔ میسم شام کو آتا ہے تو میں خود بات کر لوں گا اس سے۔" انکی بات سن کر سر ہلاتے وہ چائے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ صائمہ انہیں کپ پکڑا کر اٹھتی میسم کے برتن اٹھا کچن میں چلی گئی تھیں۔

. . . .

.

"شانزے اٹھ جاؤ اب اور کتنا سونا ہے بیٹا۔" اسکے کمرے میں داخل ہوتے کمبل میں دبکے وجود کو دیکھ کر انہوں نے پاس آتے نرمی سے کہا تھا۔ وہ جو پہلے سے جاگ رہی تھی بس کسلمندی سے یوں ہی پڑی ہوئی تھی منہ پر سے کمبل ہٹاتی اٹھ بیٹھی۔ چہرے کے گرد سے بال سمیٹتے وہ حزن زدہ سی لگتی تھی۔

"ناشتہ کر لو اٹھ کر میسم تو آفس بھی چلا گیا ہے۔" انہوں نے کن اکھیوں سے اسے دیکھتے جان بوجھ کر اسکا ذکر کیا تھا۔ شانزے نے ہونٹ بھینچ کر ضبط کیا تھا۔ ساری رات اسکے بارے میں سوچنے کے بعد صبح صبح پھر سے وہ اس شخص کا ذکر تک نہیں سننا چاہتی تھی۔

وہ اٹھنے لگی تھی جب صائمہ نے اسے روک لیا تھا۔

"اب بتاؤ مجھے کیا ہوا ہے؟" اسکے بازو پر ہاتھ رکھے وہ اسکی طرف بغور دیکھ رہی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوا اماں۔" وہ تلخ ہوئی تھی۔

"اچھا۔۔۔۔۔کچھ نہیں ہوا تو تم لوگ اس طرح ایک دوسرے پر چلا کیوں رہے تھے ۔کل رات سے تم یہاں کیوں پڑی ہو۔اور وہ صبح منہ بنا کر آفس کیوں گیا ہے ۔شانزے میری بات سنو بیٹا شادی شدہ زندگی میں چھوٹی موٹی باتیں ہوتی رہتی ہیں ____"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsanay|Articles|Books|Poetry|Interviews
Zubinovelszone.com

"چھوٹی موٹی باتیں ماما۔آپ کو لگتا ہے میں کسی چھوٹی سی بات پر یوں لڑوں گی ان سے ؟"وہ خفا نظروں سے انہیں دیکھتی انکی بات کاٹ گئی تھی۔

"تو پھر ہوا کیا ہے۔"انکے پوچھنے پر غصے میں وہ سب بتاتی چلی گئی تھی۔صائمہ حیرت زدہ سی اسکا چہرہ تک رہی تھیں۔تاسف سے سر ہلاتے انہوں نے ایک ہلکے ہاتھ کی چپت اسکے بازو پر رسید کی تھی۔

"اللہ پوچھے تم سے شانزے۔۔۔۔صرف اسے ایک لڑکی کے ساتھ دیکھ کر اتنا بڑا وبال مچانے کی ضرورت کیا تھی تمہیں۔"انہوں نے پریشانی سے اپنا ماتھا چھوا تھا۔ماں کے لتاڑنے پر شانزے نے بے یقینی سے انکی طرف دیکھا۔

"صرف ایک لڑکی ماما؟آپ انکا سابقہ ریکارڈ چیک کرتے ہوئے بتائیں کیا کرتی میں انہیں کسی کے ساتھ دیکھ کر؟ صبح ناشتے کی ٹیبل پر ہی وہ آپ سے اپنی مصروفیت کا رونا رو رہے تھے نا۔پھر مالز کے سیر سپاٹے کرنے کا ٹائم کہاں سے مل جاتا ہے انہیں۔میں نے ان سے پوچھا تھا پہلے اور انہوں نے کیا کہا میں آفس سے آرہا ہوں۔یعنی حد ہوتی ہے جھوٹ اور منافقت کی بھی۔"نخوت سے سر جھٹکتی وہ تیز تیز بولتی چلی گئی۔

ہاتھ پر گرائے سر کو اٹھا کر وہ سیدھی ہوتی اسے سمجھانے لگی تھیں۔

"پھر بھی بیٹا تم اگر آرام سے بات کر لیتی تو بات اتنی بڑھتی نہ۔ خیر اب بھی کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے وہ آفس سے آئے گا تو تم جا کر اس سے بات کر لینا۔"

"میں کیوں بات کروں گی ان سے اور وہ بھی انکے پاس جا کر ماما؟ سنا تھا نا آپ نے کیسے کہہ رہے تھے مجھے میں اوپر والے پورشن کی طرف انہیں نظر نہ آؤں ۔" اٹھ کر کھڑی ہوتی کہتی آخر میں اسکی آواز بھرا گئی تھی۔ اسکا ایسا کہنا اسے صحیح معنوں میں برا لگا تھا ۔ لڑائی جھگڑا اپنی جگہ مگر وہ اسے یہ کہہ بھی کیسے سکتا تھا۔ افسردہ ہوتے دل کے ساتھ وہ ایک بار پھر بھڑ بھڑ آگ میں جل اٹھی تھی۔

"وہ تو تم دونوں ہی غصے میں تھے تو۔۔۔۔"

"میں اب بھی غصے میں ہی ہوں۔ میسم نے تو اپنے گھر سے نکال دیا ہے اب اگر آپ کو بھی اپنے گھر میں برداشت نہیں ہو رہی تو بتا دیں آپ بھی۔ چلی جاؤں گی یہاں سے بھی میں۔" بہتی آنکھوں کے ساتھ ناراض ہوتی وہ واش روم میں گھس گئی تھی۔

"شانزے بیٹا بات تو سن لو ماما کی۔" پیچھے وہ اسے پکارتی رہ گئیں جو انکی بات کو ان سنا کرتی واش روم میں بند ہو چکی تھی۔

. . . .

.

شام کو میسم کی واپسی پر محمود آفندی جو باہر لان میں ہی بیٹھے ہوئے تھے اسے دیکھ کر پکارا ،وہ سیدھا انکی طرف ہی آگیا تھا۔انکے سامنے بیٹھا تو محمود آفندی مسکرا کر اسے دیکھنے لگے۔

"میسم۔۔۔"

"آئی ایم سوری چاچو۔" انکے کچھ کہنے سے پہلے ہی چہرہ اٹھا کر انہیں دیکھتا وہ ندامت سے بول اٹھا تھا۔ محمود آفندی ناسمجھی سے نیم واہ لب لئے اسے دیکھنے لگے۔

"مجھے افسوس ہے میں شانزے پر اس طرح سے چلایا۔اور آپ نے دیکھ بھی لیا۔آپ کو برا بھی لگا ہو گا۔اپنی بیٹی آپ نے بڑے مان سے مجھے سونپی تھی۔میں نے آپکا بھروسہ توڑا ہے۔" آگے کی جانب ہو کر بیٹھتا وہ تاسف سے کہہ رہا تھا محمود آفندی خفیف سا ہنس دیے۔ میسم بات کرتے رک کر حیرانگی سے انہیں دیکھنے لگا۔

" بالکل بچے لگ رہے ہو اس طرح بات کرتے ہوئے۔یار میاں بیوی میں سو بار جھگڑے ہوتے ہیں غصے میں ایک دوسرے کو کہہ سن بھی لیتے ہیں۔تم دونوں بھی نارمل لوگ ہو اور نارمل لوگ آپس میں اکثر جھگڑا کرتے پائے جاتے ہیں۔تمہارا کیا خیال ہے اس سب سے میں اور صائمہ نہیں گزرے ہوں گے۔" وہ ہلکے پھلکے سے انداز میں شانے اچکا کر کہتے رکے۔" مگر خیال اس بات کا رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے

کہ میاں بیوی کے آپسی جھگڑے ان تک ہی رہیں۔ بات دو لوگوں سے تیسرے تک نہ پہنچے اور ناراضگیاں زیادہ طول نہ پکڑیں۔" سنجیدہ ہوتے وہ مدبر سے لہجے میں اسے سمجھا رہے تھے۔ میسم نے سر ہلایا۔

"جی چاچو ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔ بس بات ہی کچھ ایسی ہوئی تھی میں ضبط کھو گیا۔ وہ میرے دوست کی بیوی تھی۔ میرا دوست بھی ہمارے ساتھ ہی تھا وہ واش روم گیا ہوا تھا جب ہی شانزے نے مجھے ثنا کے ساتھ دیکھ لیا ہو گا۔ وہ دونوں امریکہ سے آئے ہیں۔ کل آفس ٹائم میں فیصل کی کال آئی تھی۔ وہ ملنے کا کہہ رہا تھا۔ تبھی میرے آفس کے قریب ہی وہ ریسٹورنٹ جہاں وہ دونوں تھے تو میں جلدی آف لیتے ان سے ملنے چلا گیا۔ وہاں سے کھانے کے بعد انہوں نے شاپنگ کا پلان بنا لیا۔ انکے اصرار پر مجھے بھی ساتھ جانا پڑ گیا بس اتنی سی بات تھی چاچو مگر شانزے نے اسے بہت غلط معنوں میں لے لیا۔ اور آگے سے مجھے بھی غصہ آ گیا۔ آئندہ خیال رکھوں گا۔" محمود آفندی نے فخریہ نظروں سے بھتیجے کو دیکھا تھا۔ انکا انتخاب صحیح تھا یہ احساس انہیں ہر بار میسم کو دیکھ کر ہوتا تھا۔

"شانزے کی غلطی ہے میں مانتا ہوں۔ مگر بیٹا تم سمجھ دار ہو۔ایک پاگل پن پر اتر آئے تو دوسرے کو تھوڑی زیادہ سمجھ داری دکھانی پڑتی ہے۔"انکے نرمی سے سمجھانے پر اس نے تائیدی انداز میں گردن کو جنبش دی۔

"میں تو انہیں آج شام ڈنر کے لئے بھی انوائٹ کر چکا ہوں۔اب سوچ رہا ہوں منع کر دوں۔"انکے ذکر پر میسم کو اچانک سے یاد آیا تھا۔کل کی بدمزگی کے بعد وہ اس قدر غصے اور شرمندگی کی ملی جلی کیفیت کا شکار تھا کہ اسکے ذہن سے یہ بات ہی نکل گئی تھی
۔

"کیوں منع کیوں کرو گے۔ابھی تو بہت ٹائم پڑا ہے۔اندر جا کر صائمہ اور شانزے سے کہو سب ہو جائے گا۔"محمود صاحب کے کہنے پر اس نے ہاتھ الٹ کر رسٹ واچ پر ٹائم دیکھا تھا۔

"ٹائم کم ہے چاچو اتنی جلدی۔۔۔"

"ایک دو ڈشز گھر میں تیار ہو جائیں گی ایک دو ہوٹل سے پکڑ لیں گے یار۔اتنا بڑا کیا مسئلہ ہے۔آ جاؤ اب تم مزید دیر کر رہے ہو۔"اٹھ کر آگے بڑھتے وہ اس سے کہہ رہے تھے جو کل کے بعد سے اب دل سے مسکراتا اٹھ کر انکے ساتھ ہو لیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews
Zubinovelsgone.com

. . . .

.

صائمہ نے اسے بتایا تھا میسم کا دوست اپنی بیوی کے ساتھ آرہا ہے ڈنر پر۔اسکا پارہ تو ہائی ہوا تھا مگر وہ خاموشی سے کچن میں آکر انکے ساتھ تیاری کرنے لگی تھی۔مغرب کے قریب کا وقت تھا جب انکے کہنے پر وہ چینج کرنے گئی تھی۔کل کے کپڑے اب سلوٹوں کے باعث ملگجے سے لگنے لگے تھے۔اوپر کمرے میں جاکر کپڑے بدلنے کے بجائے وہ اپنے روم میں آئی تھی۔شادی سے پہلے کے کچھ سوٹ اس کے یہی وارڈروب میں لٹکے ہوئے تھے۔تیار ہوکر وہ باہر نکلی تب تک وہ لوگ آچکے تھے۔ڈرائنگ روم سے نکلتیں صائمہ نے اسے آتے دیکھا تھا۔

"جاکر مل لو اندر۔میں آتی ہوں ریفریشمنٹ کا انتظام کرکے۔"سر ہلا کر ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ سجائے وہ اندر داخل ہوئی تو سامنے ہی بیٹھی ہستی کو دیکھ کر اسکے قدم اپنی جگہ تھم سے گئے تھے۔گولڈن باب کٹ بالوں والی وہی لڑکی ہنستے ہوئے میسم سے کچھ کہہ رہی تھی۔ایک خوش شکل سا مرد بھی اسکے پہلو میں بیٹھا ہنس رہا تھا۔ساتھ رکھے صوفے پر براجمان میسم ہونٹوں پر دائیں ہاتھ کی مٹھی رکھ کر مسکرا رہا تھا

۔اسے دیکھ کر وہ تینوں اسکی طرف ایک ساتھ متوجہ ہوئے تھے۔فق ہوئے چہرے کو نارمل کرنے کی کوشش کرتے وہ زبردستی مسکرا کر آگے بڑھی تھی۔

"شانزے یہ میرا دوست فیصل اور اسکی وائف ثنا ہیں۔امریکہ سے آئے ہیں۔اور یہ شانزے ہیں میری وائف۔"وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے مسکرا کر بڑے لگاؤ سے شانزے کی طرف دیکھتے تعارف کروایا تھا۔ثنا اٹھ کر اسکے گلے ملی تھی اور وہ خفت سے پانی پانی ہو رہی تھی۔کن اکھیوں سے اس کی جانب دیکھا تھا جو اب اسکی طرف دیکھ تک نہیں رہا تھا۔فیصل اس سے حال احوال پوچھ رہا تھا۔مرتی کیا نہ کرتی وہ دھیمی سی رسمی مسکان لئے جواب دیتے میسم کے ساتھ نشست سنبھال لی تھی۔

"میسنے کہیں کے کیا ہو جاتا جو کل ہی بتا دیتے یہ پرکٹی کبوتری انکے دوست کی بیوی ہے ۔اف اللہ! میں مر کیوں نہیں جاتی۔"

زار و زار روتے دل اور مسکراتے ہونٹوں کے ساتھ اس نے پہلو میں بیٹھے میسم کو دیکھ کر دل ہی دل میں دہائی دی تھی جو بے نیاز بنا اسے سرے سے نظرانداز کر رہا تھا۔ڈھلکتے آنچل کو سر پر برابر کرتے وہ ثنا کی جانب متوجہ ہوئی تھی جو اس سے پرجوش سی کہہ رہی تھی۔

"میں نے کل میسم کا اتنا سر کھایا تم سے ملنے کے لئے کہ مجبوراً اس بے چارے کو ہمیں ڈنر پر انوائٹ کرنا ہی پڑا۔ اور میں تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوں یار کتنے سویٹ لگتے ہو تم دونوں ایک ساتھ۔ کل پہلی بار میں نے اس بندے کو کسی کے بارے میں اتنی دیر بات کرتے دیکھا ہے۔ میرے تمہارے بارے میں ہر سوال کا جس تفصیل سے اور نرمی سے اس نے جواب دیا تھا میں حیران رہ گئی تھی ورنہ یہ بولتا ہی کب ہے۔ مگر اب تمہیں دیکھ کر یقین آگیا ہے اسے بولنا ایسے ہی نہیں آگیا۔ سارا کمال تو تمہارا ہے۔" اسکے بے تکان بولنے پر وہ جہاں ساری حقیقت کھلنے پر شرمسار ہو رہی تھی وہیں اسکی تعریف پر اپنی جگہ جھینپ بھی گئی تھی۔

"اب اتنا بے مروت بھی نہیں ہوں میں۔ تم لوگوں کو ڈنر پر تم نہ بھی کہتی تو بھی انوائٹ کرنا ہی تھا میں نے۔" میسم بولا تو ثنا ہنس دی۔

"مگر اتنی جلدی بھی نہ کرتے۔ یہ تو میری اپنی کاوش رنگ لائی ہے۔"

"میسم مان لو یار۔ خواتین سے بحث شروع ہونے سے پہلے ہی ہار مان لینی چاہیے اس سے امن وامان کی صورت حال برقرار رہتی ہے۔" فیصل کے کہنے پر ان تینوں کا قہقہہ پڑا تھا۔

"تجربہ بولتا ہے۔" میسم اسے چھیڑ رہا تھا۔

"تمہارا بھی ہو گیا ہو گا اب۔" دوبدو جواب ملا تھا۔

"کہاں یار۔ میں بڑا خوش قسمت ہوں۔ میری بیوی بحث تو دور کی بات فضول ایک لفظ تک زبان سے نہیں نکالتی۔ میں تو ترس جاتا ہوں کبھی تو یہ کسی بات پر بحث کرے، جھگڑا کرے مگر نہ جی شانزے بی بی میری یہ حسرت شاید ہی کبھی پوری ہونے دیں گی۔" اسکی طرف دیکھتے بظاہر بڑے پر سکون اور چاہت بھرے انداز میں کہتا وہ اسکی شرمندگی سے سرخ پڑتی رنگت دیکھ رہا تھا۔ شانزے کے لئے مزید وہاں بیٹھنا دوبھر ہوا تھا وہ جو اسے بھگو بھگو کر مار رہا تھا۔

"واہ بھئی تم اس روئے زمین پر خوش قسمت ترین انسان ہو پھر۔"

فیصل ستائشی انداز میں گردن ہلاتا کہہ رہا تھا ثنا کے گھورنے پر قہقہہ لگا دیا۔

"مطلب کہ میرے بعد۔ پہلا نمبر تو میرا ہی ہے۔"

وہ لوگ اپنی گپ شپ میں مگن تھے۔ شانزے کچھ دیر بیٹھ کر وہاں سے اٹھ آئی تھی۔

رات ڈنر کے بعد وہ لوگ واپس چلے گئے تھے۔ صائمہ اور وہ دونوں کچن سمیٹ رہی تھیں اور ساتھ ساتھ وہ اسے کھری کھری سنا بھی رہی تھیں۔

"بس دیکھ لیا اپنی جلد بازی اور جذباتیت کا نتیجہ۔ کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔ میسم کے دوست کی بیوی تھی وہ۔ شرمندہ کروا کے رکھ دیا بچے کے سامنے مجھے بھی۔ کیا سوچتا ہو گا

تمہارے بارے میں وہ۔ کیسی شکی مزاج لڑکی ہے۔" اسکی غلطی تھی اور اسے احساس بھی تھا تبھی بنا کچھ بھی کہے برّتن دھوتے وہ چپ چاپ انکی جلی کٹی سن رہی تھی۔

"اتنے بھی معصوم بچے نہیں ہیں ماما اب وہ۔ میسم مجھے کل بھی بتا سکتے تھے لیکن نہیں انہیں تو مجھ پر غصہ ہونے کا بہانہ مل گیا تھا بس۔" اپنی خفت مٹانے کو اس نے ایک نقطہ اٹھایا تھا۔ کاؤنٹر صاف کرتے صائمہ نے رک کر بیٹی کو خشمگیں نظروں سے دیکھا تھا۔

"جیسے تم نے تو اسے بڑا موقع دیا ہو گا کچھ کہنے کا۔ جانتی نہیں ہوں نا تمہیں میں۔ غصے میں کیسے اگلے بندے پر چڑھ دوڑتی ہو تم۔"

شانزے نے منہ بسور کر ہاتھ میں پکڑی پلیٹ کے ساتھ ماں کی طرف خفگی سے دیکھا۔

"رہنے دیں ماما میں بہت نظر آتی ہوں آپ کو۔ انہیں نہیں دیکھا تھا آپ نے کیسے سلطان راہی بن کر ٹانگیں توڑنے کی تڑی لگا رہے تھے مجھے۔"

"چاچی ایک مگ کافی بنا دیں گی پلیز۔" دروازے میں کھڑا وہ سنجیدہ سا کہہ رہا تھا۔ صائمہ نے جہاں بیٹی کی زبان کی کرامات کے باعث کھسیا کر اسے دیکھا تھا وہیں بیٹی صاحبہ کے ہاتھ سے اسکی صور اسرافیل پھونکتی آواز سن کر پلیٹ گرتی سنک میں گرتی دو حصوں میں تقسیم ہوئی تھی۔ آنکھیں میچ کر روہانسی صورت بنائے اس نے پہلو بدلا تھا

۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews
Zubinovelsonline.com

"میں بنا دیتی ہوں بیٹا۔" شانزے کو سخت نظروں سے گھور کر وہ میسم کی طرف مسکرا کر پلٹیں۔ وہ مشکور سے انداز میں سر ہلاتا واپس مڑ گیا تھا۔

"میری ناک کٹوانے میں کوئی کسر مت چھوڑنا تم۔"

"میرے تو ستارے ہی گردش میں ہیں۔" ماما کو فریج کی جانب بڑھتے دیکھ کر وہ ٹوٹی پلیٹ کو دیکھ کر بڑبڑائی تھی۔

رات کو باوجود کوشش کے بھی وہ خود کو اوپر جانے کے لئے تیار نہیں کر پائی تھی۔ کل تو وہ خود بہت غصے میں تھی مگر آج اپنا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اسکے غصے کا سوچ کر ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔

صائمہ نے اپنے کمرے سے نکلتے اسے اپنے کمرے میں جاتے دیکھا تو کلس کر رہ گئیں۔

"ایک تو آپ کی بیٹی نے میرا خون جلا رکھا ہے محمود صاحب۔ اسے تو میں سیٹ کرتی ہوں جا کر آج۔" وہیں سے گردن موڑے وہ غصیلے انداز میں کہتی آگے بڑھنے لگیں۔

"اسے رہنے دو صائمہ۔ کچھ دیر اکیلے رہ کر اپنا احتساب خود کرے گی تو آئندہ ایسی غلطی نہیں دوہرائے گی۔ ابھی وہ شرمندہ ہے میسم سے بات کرے گی تو یہ کیفیت جلد ہی زائل ہو جائے گی۔ پھر دو تین دن میں وہ بھول بھال بھی جائے گی مگر بسا اوقات زندگی میں شرمساری کا دورانیہ تھوڑا طویل ہو تو انسان کو اپنی غلطیوں سے سیکھنے کا

موقع ملتا ہے۔ میسم کا بھی یہی خیال ہے اسے کچھ وقت دو وہ اپنے اور اسکے رشتے کے بارے میں اچھے سے سوچ سمجھے۔ اعتبار کرنا سیکھے اپنے ہمسفر پر تاکہ آگے کا سفر ان دونوں کے لئے آسان ہو۔" انکے اطمینان بھرے انداز میں کہنے اور میسم کا ذکر کرنے پر وہ چپ ہو تیں واپس پلٹ آئی تھیں۔

. . . .

.

پچھلے دو دن سے ان دونوں کی آنکھ مچولی چل رہی تھی۔ اسکے آفس جانے کے بعد وہ کافی دیر اپنے کمرے میں آتی تھی۔ اسکا پھیلاوا سمیٹتی تھی اس کی تصویر کے سامنے کھڑے ہو کر گردن تان کر کہتی تھی۔

"لو آگئی میں۔ توڑ کر دکھاؤ ٹانگیں اب۔ بڑے آئے پھنے خان۔" منہ ٹیڑھا کرتے ناک سکیڑ کر کہتی وہ خود ہی ہنس دیا کرتی تھی۔

تصویر کی اور بات تھی مگر حقیقت یہ تھی وہ خود کو اسکے سامنے کے لئے تیار نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ غصہ ہو گا جانتی تھی۔ اور اس بار اسکی غلطی تھی یہ سوچ کر ہی اسکے اوسان خطا ہونے لگتے تھے۔

اپنے کہے سبھی تلخی کے زہر میں ڈوبے الفاظ اسکا اپنا حلق کڑوا کرنے لگتے تھے۔

ایسے میں سبرینہ رہنے چلی آئی تھی۔شایان کو آؤٹ آف سٹی جانا تھا وہ سبرینہ کو یہاں چھوڑ گیا تھا۔شانزے نے اسے بھی ساری بات بتائی تھی مگر اس نے آگے سے کوئی تبصرہ کرنے سے گریز ہی برتا تھا۔

شانزے کے کچھ ٹیسٹ وغیرہ ہونے تھے۔وہ سبرینہ کے ساتھ ہی ہوسپٹل گئی تھی ۔گائنی ڈیپارٹمنٹ سے نکلتے ہوئے پاس سے گزرتی ایک نقاب پوش عورت نے سبرینہ کو دیکھ کر پکارا تھا۔

"سبرینہ۔۔۔۔یہ تم ہو؟"سبرینہ کے ساتھ ساتھ شانزے بھی پیچھے مڑ کر اسے دیکھنے لگی تھی۔اس نے نقاب کھینچ کر نیچے کیا تھا۔حیرت کا شدید ترین جھٹکا تھا جو ان دونوں بہنوں کو لگا تھا۔

"فریحہ؟؟؟"مارے حیرت وخوشی کے سبرینہ کے منہ سے ہلکی مگر چینخ نما آواز نکلی تھی۔وہ آگے بڑھ کر اسکے گلے ملی تھی۔

"یہ شانزے ہے؟"پاس کھڑی ہونق سی شانزے کی طرف اشارہ کرتے اس نے کہا تھا سبرینہ نے گردن ہلائی تو وہ مسکرا کر اس سے بھی گلے ملی تھی۔

"یہ تو اتنی بڑی ہو گئی ہے ماشاءاللہ۔"فریحہ تعجب بھری خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔

"صرف بڑی نہیں ہوئی فریحہ بھابھی آپ کی سوکن کے درجے پر بھی فائز ہو گئی ہوں ۔اف اللہ کیا سوچیں گی فریحہ بھابھی۔۔۔۔میں مر کیوں نہیں جاتی۔،"دل ہی دل اس نے دہائی دی تھی۔فریحہ کو بھابھی کہنے کی عادت اب تک نہ چھوٹ پائی تھی۔

ہوسپٹل کے کیفیٹریا میں جا کر بیٹھتے سبرینہ نے کاؤنٹر سے جوس لیا تھا۔اب وہ تینوں وہاں ایک کونے میں قدرے پر سکون گوشے میں، گول میز کے گرد بیٹھی ہوئی تھیں۔

"تمہاری تو شادی ہو گئی ہو گی سبرینہ۔"فریحہ پوچھ رہی تھی۔شانزے نے کن انکھیوں سے اسکی جانب دیکھا تھا جو دس سالوں میں بالکل بدل گئی تھی۔خوب صورت وہ اب بھی تھی مگر پہلے سی شادابی مفقود تھی۔چہرے سے وہ اپنی عمر سے زیادہ لگنے لگی تھی۔گھر میں بھی لپ اسٹک اور کاجل کی دھار آنکھوں سے جدا نہ ہونے دینے والی اس وقت ہر آرائش سے مبرا سامنے بیٹھی تھی تو کوئی اور ہی فریحہ معلوم ہوتی تھی۔

"پانچ سال ہو گئے ہیں۔تم سناؤ۔تم نے تو سارے رابطے ہی ختم کر دیے۔"سبرینہ شکوہ کر رہی تھی۔

"جن گلیوں سے گزر نہ ہو وہاں کا راستہ ماپنے کا کیا فائدہ سبرینہ۔اسی لئے سارے تعلق واسطے ختم کر دیے تھے میں نے۔"اک افسردہ سی مسکراہٹ اسکے ہونٹوں پر آئی تھی

۔سبرینہ نے سمجھنے کے سے انداز میں سر ہلایا تھا۔شانزے بنا کچھ بھی بولے جوس کے سپ لے رہی تھی۔اسے اپنا بی پی لو ہوتا معلوم ہونے لگا تھا۔

"تم نے شادی کی؟"کچھ جھجک کر سبرینہ نے پوچھا تو شانزے اسکا چہرہ دیکھنے لگی جہاں کوئی سایا سا آکر ٹھہرا تھا۔پھر اس نے ذرا توقف سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"میسم۔۔۔وہ کیسا ہے؟"جوس جا کر شانزے کے گلے میں جیسے اٹک سا گیا تھا۔وہ سیدھی ہوتی پہلو بدل کر کھانسی تھی۔سبرینہ کے ساتھ ساتھ فریحہ نے بھی اسکی طرف دیکھا تھا۔

"سوری۔۔۔"معذرت خواہ انداز میں ہاتھ اٹھائے وہ سانس لینے کو رکی۔سبرینہ نے اس سے نظر ہٹا کر فریحہ کو دیکھا تھا جیسے کسی طفل کو دیکھا جاتا ہے۔

"تم اب بھی اس شخص کا حال احوال پوچھ رہی ہو فریحہ جس نے تمہارے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کیا۔"

سبرینہ کی آواز میں غصہ تھا،بے یقینی تھی،ناپسندیدگی تھی۔فریحہ زخمی سے انداز میں مسکرائی۔

"اب جانوروں سے بدتر زندگی گزار رہی ہوں تو لگتا ہے اپنے منہ سے نکالی ہر بات میرے گلے پڑ رہی ہے۔"وہ نظریں جھکا کر میز پر رکھے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی

"کیا مطلب ؟" سبرینہ کے ساتھ ساتھ شانزے بھی پوری طرح اسکی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ فریحہ نے ایک پل کے لئے ان دونوں کے چہرے دیکھے تھے پھر نظریں جھکا لیں۔

"میسم مجھ پر شک کرتا ہے، مجھے مارتا پیٹتا ہے، گندی زبان استعمال کرتا ہے وہ سب جھوٹ تھا۔۔۔اس نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا۔ بلکہ میرا ابارشن بھی میں نے خود کروایا تھا۔" شانزے منہ کھولے فق ہوتی رنگت کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی کچھ ایسی ہی حالت سبرینہ کی بھی تھی۔

"کیا۔۔۔کیا کہہ رہی ہو تم فریحہ ؟" اسکے برسوں کی بدگمانی اور نفرت کا بت ایک دم سے پاش پاش ہونے کو تھا وہ اتنی آسانی سے کیسے برداشت کر سکتی تھی۔

"سچ کہہ رہی ہوں سبرینہ۔ میں اپنے کزن میں انٹرسٹڈ تھی مگر گھر والے نہیں مانے۔ میری میسم سے شادی ہو گئی۔ شروع شروع میں میں خوش تھی۔ وہ اچھا تھا ہر لحاظ سے بس ذرا سنجیدہ سا تھا۔ بولتا کم تھا۔ اسکی عادتیں تھوڑی عجیب تھیں مگر پھر بھی وہ ایک اچھا شوہر ثابت ہوا تھا۔ مگر پھر میرے کزن نے مجھ سے دوبارہ رابطہ کیا۔ وہ کہہ رہا تھا وہ میرے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں میسم کو چھوڑ دوں وہ مجھ سے شادی کر کے مجھے اپنے

ساتھ کہیں دور لے جائے گا۔ایک چور دروازہ کھلا دیکھ کر میرا دل بے ایمان ہونے لگا ۔میں اس میں پھر سے انوالوہونے لگی تھی۔ میسم سے میرا رویہ بدلنے لگا تھا جسے اس نے جانچ بھی لیا تھا۔میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس سے الجھنے لگی تھی۔ تم اسے ناپسند کرتی ہو میں اچھے سے جانتی تھی۔اسی سے فائدہ اٹھا کر میں نے تم سے اسکی برائی کرنا شروع کر دی تاکہ وقت آنے پر کوئی ایسا ہو جو میرا گواہ ہو۔۔انہی دنوں مجھے میری پریگننسی کی خبر ملی۔میں چکرا کر رہ گئی تھی۔میں شہزاد کے ساتھ ایک نئی زندگی کے خواب دیکھ رہی تھی۔ایسے میں یہ بچہ میرے پاؤں کی بیڑی بننے لگا تھا۔میری ایک دوست تھی وہ گائناکالوجسٹ تھی میں نے اسکی ہیلپ لی۔میسم سے یہ بات چھپانا ناممکن تھا اسی لئے میں نے اپنی دوست کے ساتھ مل کر ایک پلان بنایا۔میں اسے ساتھ لے کر گئی جہاں میری دوست نے کہیں جواز دے کر اور میری فیک میڈیکل رپورٹ بنا کر یہ ثابت کر دیا کہ یہ پریگننسی میرے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ میسم ابارشن کے لئے راضی ہو گیا تھا۔ مگر اس نے ایک غلطی کر دی۔اس نے گھر میں یہ بات کسی کو نہیں بتائی۔ میسم کی امی پوتے پوتی کا منہ دیکھنے کی دعائیں کرتے نا تھکتی تھیں وہ انہیں یہ دکھ نہیں دینا چاہتا تھا۔میرا ابارشن ہو گیا۔اس دن میں شہزاد سے فون پر اپنے تمام پلان اور ابارشن کے بارے میں ہی ڈسکس کر رہی تھی۔میں اسے قائل کرنا چاہتی تھی وہ

جلد از جلد سب تیاری کرے۔ ہم نے طے کر رکھا تھا ہم پہلے یہاں سے بھاگ جائیں گے پھر خلع کا مقدمہ دائر کر دیں گے۔ مگر میسم نے سب سن لیا۔ وہ پہلا دن تھا جب میں نے اسے غصے میں دیکھا تھا۔ اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ مجھ سے بدزبانی کی تھی ۔اور میری اچھی قسمت۔۔۔۔اس وقت تو یہی لگا تھا۔ شانزے نے یہ سب دیکھ بھی لیا ۔میں جو اس سے چھٹکارا چاہتی تھی مجھے ایک اچھا اور آسان موقع میسر آگیا تھا جس سے فائدہ اٹھا کر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میسم کی زندگی سے نکل آئی۔" اپنی بات مکمل ہونے تک کہیں آنسوؤں کی ایک لکیر سی اس کے چہرے گال پر بنتی چلی گئی۔

سبرینہ دم سادھے سنتی رہی تھی اس کے چہرے نے کہیں رنگ بدلے تھے اور آخری رنگ اس کے چہرے پر شدید غصے اور صدمے کا تھا۔

"تم۔۔۔۔تم گھٹیا عورت میرے جذبات کا فائدہ اٹھا کر ہمارے ہی گھر میں طاق طاق کر نشانے لگاتی رہی۔ اور ہم اس غلط فہمی میں مارے گئے کہ تم مظلوم ہو۔ شرم نہیں آئی تمہیں اپنے ہی شوہر پر بہتان لگاتے ہوئے۔ ایک بے گناہ انسان کو سب کی نظروں سے گراتے ہوئے۔ اگر نہیں رہنا تھا اسکے ساتھ تو چھوڑ دیتی اسے اتنا سب ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

سبرینہ کو خود احساس نہیں تھا اسکی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔اپنے ہاتھوں کو سختی سے بھینچ کر سامنے بیٹھی عورت کا منہ توڑنے سے اس نے خود کو باز رکھا تھا۔فریحہ کی نگاہیں اب بھی جھکی ہوئی تھی۔

"پہلے نہیں آئی تھی جب تک شہزاد نے مجھے ٹھکرایا نہیں تھا۔اسے کوئی اور مل گئی تو مجھ سے شادی سے انکار کر دیا اس کے بعد میں مٹی ہو گئی سبرینہ بس شرم ہی باقی رہی باقی سب ختم ہو گیا۔یہ شرم ہی ہے جو مجھے خود سے بھی نظریں ملانے کے قابل نہیں رہنے دیتی اب۔بہت کوشش کی ایک بار تم سب کے سامنے آکر اپنی غلطی کی معافی مانگ سکوں خاص کر اس انسان سے جس کی میں گناہ گار بن گئی تھی۔مگر معافی مانگنے کے لئے ہمت چاہیے ہوتی ہے بزدلوں کا شیوہ نہیں ہے معافی مانگنا۔نہیں مانگ سکی۔میرے گھر والے بھی یہی سمجھتے رہے ساری غلطی میسم کی ہے میں تو اتنی بزدل نکلی کہ لاکھ چاہ کر بھی انکو نہ بتا سکی۔اپنے لئے اپنوں کی آنکھوں میں نفرت اور ناپسندیدگی دیکھنا آسان نہیں ہوتا۔سب کی لعن طعن کا خوف مجھے ہمیشہ روک دیتا تھا۔" وہ بے تاثر چہرہ لئے میکانکی انداز میں بول رہی تھی۔

"اور تمہاری وجہ سے میسم نے جو اپنوں کی بیگانگی سہی اسکا کیا؟اسکے حصے میں جو سب کی لعنت ملامت آئی اس تکلیف کا کیا؟" سبرینہ آگے ہو کر غرائی تھی۔

"مزید کوئی بکواس نہیں سننی ہمیں تمہاری۔ چلو شانزے اٹھو یہاں سے۔" کہتے ہوئے وہ خود بری طرح سے چونکی تھی اتنی دیر میں وہ اسے بالکل بھول چکی تھی۔ اب جو اسکی طرف دیکھا تو دنگ رہ گئی۔ اسکا چہرہ خطرناک حد تک زرد پڑ رہا تھا۔ اسے اٹھانے کی غرض سے اسکے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تو اسکا ہاتھ یخ ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ پتھرائی آنکھوں سے وہ بس فریحہ کو دیکھ رہی تھی جیسے کسی گہرے شاک میں ہو۔

"شانزے اٹھو۔" سبرینہ کے ہلانے پر وہ اسکی طرف یوں دیکھنے لگی جیسے کسی ڈراؤنے خواب سے بیدار ہوئی ہو۔

"اٹھو۔" سبرینہ نے پھر سے دوہرایا شانزے نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"نہیں آپی مجھے سننا ہے۔ ہم نے ہمیشہ انکی ہی تو سنی ہے اتنے سالوں بعد بھی انکے سنائے الفاظوں کی بازگشت نے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا۔ ہم نے انکے کہے پر کھرے کھوٹے کی پہچان کی تو آج بھی پوری بات سننی ہے مجھے۔" اسکی آنکھ سے ایک قطرہ گر کر میز کی سطح پر آ پڑا تھا۔ اسکے چہرے پر جو تکلیف تھی اس نے سبرینہ کو آنکھیں چرانے پر مجبور کر دیا تھا۔ سر ہلا کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں باہر تمہارا انتظار کروں گی۔" آہستہ آواز میں اس سے کہتے اس نے فریحہ کو نفرت بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ جاتے جاتے وہ رکی تھی۔ اپنے آگے پڑا جوس کا

گلاس اسکے منہ پر اچھالا تو وہ ہڑ بڑا کر رہ گئی۔"شیم آن یو۔"ہتک آمیز لہجے میں کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی تھی۔فریحہ نے بنا کسی ناگواری کے اپنا سانس بحال کرتے چہرہ اپنے سکارف سے صاف کیا تھا

"فریحہ مجھے آپ کی پوری کہانی سننی ہے۔آپ کہیں میں سن رہی ہوں۔آپ کو دیکھ کر لگتا ہے جیسے عرصہ ہوا آپ کو بھی کوئی میسر نہیں آیا اپنی کہنے کو تو آج کھل کر کہیں میں سب سنوں گی۔"انداز تخاطب جو اتنے سالوں میں نہ بدل سکا تھا ایک لمحے میں بدل کر رہ گیا تھا۔اسکی طرف دیکھتے اپنے ہاتھوں کی کپکپاہٹ کو اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باھم پیوست کیے چھپانا چاہا تھا۔آواز بالکل ہموار تھی مگر اندر کہیں دل بہت گہری کھائی میں جا گرا تھا۔

"تم آج بھی ویسی ہی ہو شانزے نرم دل۔سب کا احساس کرنے والی۔"فریحہ اسکی طرف دیکھتے ہلکا سا مسکرائی تھی۔بڑی کھوکھلی سی مسکراہٹ تھی اسکی۔شانزے کا دل خون کے آنسو رویا تھا(کاش اس سب میں وہ ایک شخص بھی شامل ہوتا)۔

"تم نے کیسے جان لیا مجھے کوئی اپنی کہانی کہنے کو ملا نہیں؟۔لیکن میری کہانی میں کچھ خاص ہے ہی کیا جو کوئی سنے۔اس میں کوئی خاص رنگ نہیں ہیں لوگوں کو تو رنگ اچھے لگتے ہیں۔مگر ہاں اس میں عبرت ہے شانزے۔جو کوئی لینا نہیں چاہتا۔میں نے اپنی

اندھادھند خواہشوں کے پیچھے بھاگ کر سب کچھ کھودیا۔ہاتھ آیاہیرا گنوا کر پیتل کو چنا تووہ بھی ہاتھ سے نکل گیا۔اور جانتی ہو مجھے کیا ملا۔کوئلہ جس نے میرے ہر رنگ پر کالک مل دی۔مجھے بے رنگ کر دیا۔میری دوسری شادی ایک ایسے شخص سے ہوئی جو ہوبہو ویسا تھا جیسا میں تم دونوں کو میسم دکھایا کرتی تھی۔تقدیر نے مجھے آئینہ دکھایا تھا ۔میرے سارے الفاظ پلٹ پلٹ کر مجھ تک آئے۔جانتی ہو وہ شخص کوئی مذہبی نہیں ہے نہ ہی دین وپردے کا پابند بس اسے مجھ پر شک ہے کہ میں غیر مردوں کو اپنا آپ دکھا کر انہیں رجھانے کی کوشش کرتی ہوں اس نے مجھے برقع پہنادیا۔مجھے گھر کے اندر بھی میک اپ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔میرے پاس موبائل تک نہیں ہے شانزے۔اور میری چھوٹی چھوٹی کوتاہی پر وہ مجھے جانوروں کی طرح پیٹ ڈالتا ہے۔پر اب میں بولتی نہیں ہوں چپ رہتی ہوں۔میری ماں مجھے دیکھ کر روتی ہے اسے لگتا ہے یہ میری آزمائش ہے مگر میں تمہیں بتاؤں شانزے میرا یقین ہے یہ میری سزا ہے ۔"خود اذیتی سے وہ اپنا تمسخر اڑاتی ہنسی ہنسی۔

"میں نے خود اپنی اولاد کو مارا تھانا۔دیکھو آج ٹھوکریں کھا رہی ہوں اسی اولاد کے لئے مگر اللہؐ نہیں دے رہا۔میرا ایک کام کروگی شانزے۔میسم سے کہنا وہ مجھے معاف کر

Zubinovelszone.com

دے ہو سکتا ہے اس سے میری سزا میں کچھ کمی آجائے۔" کس قدر یاس تھا اسکی آواز میں یہ کہتے ہوئے۔ شانزے آسیب زدہ سی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"آپ کہہ رہی ہیں میسم آپ کو معاف کر دے۔ لیکن میں کہتی ہوں میسم کس کس کو معاف کرے گا۔"

وہ آگے بڑھی تھی پھر رک کر اسے دیکھا تھا۔

"اور آپ کے ضمیر کا بوجھ کچھ کم کرتی جاؤں میسم اپنی زندگی میں بہت خوش ہیں۔ آپ انہیں ڈیزروہی نہیں کرتی تھیں اس لئے اللہ نے آپ کو دے کر انہیں واپس لے لیا۔ مگر میں کفران نعمت نہیں کروں گی فریحہ۔ میں انہیں بہت سنبھال کر رکھوں گی۔ شانزے میسم، میسم عبّاس کو ہمیشہ سنبھال کر رکھے گی۔" اک ترحم سے عاری نظر اس پر ڈال کر وہ آگے بڑھ گئی تھی پیچھے وہ اسکی بات کا مطلب سمجھ کر زخمی سے انداز میں مسکرا دی تھی۔

"تم نے اتنی دیر کر دی شانزے۔ کیا ضرورت تھی اسکی بکواس سننے کی۔" اسے آتا دیکھ کر باہر اسکا انتظار کرتی سبرینہ بولی تھی۔

"بکواس نہیں تھی آپی۔ بہت ضروری تھا یہ سب سننا میں تو اللہ کی شکر گزار ہوں جو یہ سب سن لیا آج میں نے۔" بھاری دل کے ساتھ بھیگی پلکوں اور مسکراتے لبوں کے

ساتھ وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ سبرینہ نے مزید کچھ نہیں کہا تھا۔اسکے پاس کہنے کو کچھ باقی رہا ہی کب تھا۔

. . . .

"آئی ایم سوری شانزے۔" وہ منہ سر لپیٹے ہوئے بستر پر لیٹی تھی مگر سبرینہ جانتی تھی وہ جاگ رہی ہے۔اسکے اچانک سے کہنے پر اس نے چہرے پر سے کمبل ہٹا کر دوسرے بیڈ پر بیٹھی بہن کو دیکھا تھا جو نادم سی نظر آتی تھی۔

"آپ کیوں سوری بول رہی ہیں؟"

"تمہارے اور میسم کے درمیان جو کچھ غلط ہوا اسکی کہیں نہ کہیں ذمہ دار میں بھی ہوں۔بلکہ میں ہی ذمہ دار ہوں اس سب کی۔" سر جھکا کر کہتی وہ دلگرفتگی کا شکار تھی۔فریحہ کی باتیں ابھی تک ذہن پر ہتھوڑے برسا رہی تھیں اور شاید ضمیر پر بھی۔

"آپ کی غلطی نہیں ہے آپی۔میری اپنی یقین کی دیوار کمزور تھی۔بدگمانی کا ذرا سا دباؤ نہیں سہہ سکی اور ڈھے گئی۔اس میں کسی کی غلطی نہیں ہے میری اپنی ہے۔مگر اب میں نے سوچ لیا ہے میں اسے مضبوط کروں گی اتنا مضبوط کے اس کی چار دیواری میں مقید میرے اور میسم کے رشتے تک باہر کی کوئی آندھی اپنا اثر نہ دکھائے۔"

وہ اک نیا عزم کرتی مسکرائی تھی۔ سبرینہ کا دل ہلکا ہوا تھا اسے یوں مسکراتے دیکھ کر۔

"چلو اب بستر چھوڑو جب سے آئی ہو یوں ہی پڑی ہو امی دو بار مجھ سے تمہارا پوچھ چکی ہیں۔ میں تمہارے اور اپنے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔" اسے کہہ کر وہ باہر نکل گئی تھی۔ صائمہ کو بھی مختصر اس نے فریحہ سے ہوئی ملاقات کا احوال سنایا تھا انہیں بھی بہت دکھ ہوا تھا۔ محمود آفندی کو انکی بابت پتہ چلا تو وہ غمگین تو ہوئے پر ساتھ ہی اک سکون انکے اندر پھیلتا چلا گیا۔

"میں نا کہتا تھا صائمہ میسم ایسا نہیں کر سکتا۔ میرا یقین سچ ثابت ہوا۔" انکے چہرے پر اپنے یقین کی خوشی جگمگا رہی تھی۔

سبرینہ کچن میں داخل ہوئی تو وہ وہاں پہلے سے موجود تھا۔ اسے دیکھ کر پہلی بار اسکے ماتھے پر ناگواریت کی لکیریں نمودار نہیں ہوئی تھیں۔ بلکہ دل میں ندامت نئے سرے سے سر اٹھانے لگی تھی۔

"کیا۔۔۔ کیا کر رہے ہو؟" اسے مخاطب کرنا جتنا اسے مشکل لگا تھا اتنا ہی میسم کو اسکے منہ سے نرمی بھرے ان الفاظ کو سن کر ان پر یقین کرنا۔

"اپنے لئے چائے بنانے لگا ہوں۔" نگاہ پھیر کر چائے کے لئے پتیلے میں نل میں سے پانی ڈالا۔ وہ ابھی ابھی آفس سے آیا تھا۔ کپڑے بھی نہیں بدلے تھے۔

"رہنے دو تم میں بنا دیتی ہوں۔" مصروف سے انداز میں اسکے ہاتھ سے پتیلا لیتے وہ کوکنگ رینج کے آگے آکر کھڑی ہوئی تھی۔ میسم کی حیرانگی اب حد سے سوا ہوئی تھی۔

"یہ تم دونوں بہنوں کے دماغی اسکرو ڈھیلے ہیں کیا؟"

"نہیں اب ٹائٹ ہو گئے ہیں۔" اسکی بات پر خفیف سا ہنس کر وہ چائے کی پتی پانی میں ڈال رہی تھی۔

"معجزے ہو رہے ہیں آج تو۔" بڑبڑاتا ہوا وہ باہر نکلنے لگا تھا جب سبرینہ نے اسے پکارا تھا۔

"اچھا سنو۔۔۔ ہمارا ماضی کا ٹریک ریکارڈ کافی خراب رہا ہے مگر۔۔۔۔" وہ کہتے کہتے رکی تھی۔ "کیا آگے جا کر ہم نارمل کزنز کی طرح ایک دوسرے سے اچھے سے بی ہیو کر سکتے ہیں۔ اگر تم کہو گے تو میں۔۔۔۔ میں اپنے سابقہ رویے کی معافی مانگنے کو تیار ہوں۔" وہ ندامت سے سر جھکائے کہہ رہی تھی۔ میسم کو جھٹکا لگنا یقینی تھا۔ اسے سنبھلنے میں کچھ وقت لگا تھا۔

"نہیں معافی کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نارمل بی ہیو کرنے کی ہم کوشش کر سکتے ہیں۔" وہ کھلے دل سے ہلکا سا مسکرایا تھا۔ سبرینہ نے مشکور نظروں سے اسے دیکھا۔ جو ایک بار پھر پلٹنے کو تھا۔

"سنو۔۔۔۔"

"سناؤ۔"

"میری معافی کی ضرورت نہیں ہے تو اسے کیوں بیچ میں لٹکا رکھا ہے۔اسے بھی بنا معافی مانگے معاف کر دو۔وہ سچ میں بہت شرمندہ ہے اور اسی وجہ سے تمہارے سامنے تک نہیں آ رہی۔"اس نے لگے ہاتھ بہن کا کیس بھی دائر کیا تھا۔

"تمہاری بات اور ہے ڈیئر کزن۔اسکی طرف میرے بہت سے حساب نکلتے ہیں۔جس کے لئے اپنے بل سے باہر اسے خود ہی آنا پڑے گا۔چائے باہر لے آنا میں لاؤنج میں بیٹھا ہوں۔"

کہہ کر وہ باہر نکل گیا تھا۔سبرینہ نے سکھ کا سانس لیتے چائے کی جانب دھیان دیا تھا ۔وہ اتنا برا نہیں تھا جتنا وہ اسے سمجھتی تھی۔اس سوچ پر وہ خود ہی ہنسی تھی۔

. . . .

رات وہ واش روم سے باہر آیا تو اسے سامنے صوفے پر دیکھ کر لمحہ بھر کے لئے اسکی آنکھوں میں کچھ بدلا تھا۔اگلے ہی لمحے اسے نظر انداز کرتے وہ ڈریسنگ ٹیبل کی جانب

بڑھ گیا تھا۔شانزے نے اسکی یہ نظراندازی کی جاری پریکٹس پر دکھے دل سے اسے دیکھا تھا۔

"میں آگئی ہوں۔"ہمت کرتے اس نے اطلاع دی تھی۔

"نظر آرہی ہو۔اندھا نہیں ہوا ابھی میں۔"بنامڑے وہ بے مروتی سے بولا تھا ۔شانزے کا بجھا دل کچھ اور بجھا۔

"کوئی اتنے دنوں بعد واپس آئے تو ایسے ویلکم کیا جاتا ہے۔"منہ بسور کر بڑے ناز سے کہا گیا تھا۔میسم برش واپس رکھتے پورا کا پورا اسکی طرف گھوما تھا۔

"ویلکم؟۔۔۔۔وہ جو ہماری آخری گفتگو میں گل تم نے کھلائے تھے انکے بعد بھی تم مجھ سے کسی ویلکم کی امید رکھتی ہو شانزے بی بی۔"تیز تیز قدم لیتا اسکے پاس آکر رکتے وہ اسے کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا۔اسکا دل خوفزدہ ہونے لگا تھا

"تو ٹھیک ہے۔چھوٹوں سے غلطیاں ہو جاتی ہیں۔بڑوں کا کام بنتا ہے وہ انہیں نظرانداز کریں۔"اسکی نظروں سے خائف ہوتے وہ نگاہیں چرا گئی تھی۔

"کیا بڑا بڑا لگائے رکھا ہے اور اتنی چھوٹی بھی نہیں ہو اب تم؟ تئیس کی ہونے والی ہو ۔بڑی ہو جاؤ تھوڑی اب۔مجھے اپنے بچے کی پرورش کسی بچی سے بالکل نہیں کروانی۔"

"کیوں بڑے نہیں ہیں آپ؟ پورے تیرہ سال بڑے ہیں مجھ سے آپ سے تو بہت چھوٹی ہوں پھر میں۔" منہ بسور کر کہنے پر وہ اسکی طرف بڑھا تھا۔ شانزے گڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھی۔

"دیکھیں میسم۔ آپ کو بھی پتہ ہے ڈرتی ورتی کوئی نہیں ہوں آپ سے میں۔ اگر اپنے ٹانگیں توڑنے والے قول پر عمل کرنے کا کوئی ارادہ رکھتے ہیں تو باز آجائیں۔ میں تایا ابو سے شکایت کروں گی آپ کی وہ ویسے بھی کل آرہے ہیں۔" فق ہوتی رنگت کے ساتھ وہ تیز تیز بول رہی تھی یہاں تک کہ اسکے اتنے قریب آنے پر اسکی بولتی بند ہو گئی تھی۔ اسکے سینے سے مس ہوتی اپنی ٹھوڑی اسکے سینے پر ٹکاتے اس نے اپنے ہاتھ اسکے گرد لپیٹ دیے تھے۔

"آئی ایم سوری۔" مدھم سی آواز بمشکل اسکے کانوں تک پہنچی تھی۔ اب اتنے خوب صورت انداز پر مزید خفگی جتانا میسم عبّاس کے لئے ناقابل عمل ہو گیا تھا۔

"اتنی دیر لگا دی آنے میں۔" اسکے گرد اپنے بازو کا حصار کرتے اس نے نرمی سے کہا تھا۔

"کیسے آتی ٹانگیں توڑنے کی دھمکی دے کر جو آئے تھے آپ۔" پر سکون ہو کر آنکھیں موندے وہ شکوہ کر رہی تھی۔

Zubinovelsone.com
NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اور جیسے تم تو بہت ڈرتی ہونا مجھ سے۔" اسے ہلکے سے خود میں بھینچ کر اس نے خفگی سے کہا تھا۔

"ڈر تو گئی تھی میں میسم۔" چہرہ اٹھا کر اسکی طرف دیکھا تھا۔

"بہت بری ہو تم یار۔ دو بار دل توڑا ہے تم نے پچھلے کچھ دنوں میں۔" اسکے چہرے کے گرد سے بال ہٹاتے وہ شکوہ کر رہا تھا۔

"میں جوڑ دوں گی۔ اس بار ایلفی سے نہیں۔ اپنی محبت سے۔" جزب کے عالم میں کہتی وہ آنکھوں میں شریر سی چمک لیے اسکی بات اسے ہی لوٹا رہی تھی۔

میسم نے زیر لب اپنی ہنسی دبائی تھی۔

"پکی بات ہے؟"

جواب میں اس نے شد و مد سے گردن ہلائی تھی۔

"پھر ٹھیک ہے جاؤ کیا یاد کرو گی معاف کیا تمہیں۔" فیاضی کا کمال مظاہرہ کیا گیا تھا۔

"اب مجھے بھی آپ سے ایک گلہ ہے۔" واپس سے اس کے سینے پر سر رکھے اس نے کہا تھا۔ میسم چونکا۔

"کیا؟"

"آپ نے ایک بار بھی میری غلط فہمی دور کرنے کی کوشش نہیں کی۔آپ نے ایک بار بھی اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہا۔کم از کم تب تو کہنا چاہیے تھا جب میں نے آپ سے وہ بکواس کی تھی۔" وہ جیسے اسکے ساتھ ساتھ خود کو بھی ملامت کر رہی تھی۔

"کون سی بکواس۔" اسے خود سے الگ کرتے اس نے اسکا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لیا تھا۔

"اپنا بچہ مارنے والی۔: نظریں جھکا کر اس نے پر ملال سے لہجے میں کہا تھا۔میسم چپ رہا تھا۔

"آج فریحہ ملی تھیں ہوسپٹل ہمیں۔انہوں نے سب سچ سچ بتا دیا۔" ایک اور انکشاف کیا گیا تھا۔میسم نے ہاتھ پیچھے کرتے ایک گہرا سانس خارج کیا تھا۔تو یہ وجہ تھی سبرینہ کے رویے میں تبدیلی کی۔

"وہ سچ تھا شانزے۔دھوکے سے ہی سہی سب میری مرضی سے ہوا تھا۔اس لحاظ سے اپنے بچے کو میں نے خود ہی مارا تھا۔" وہ اداس ہوا تھا۔

"لیکن آپ نے وہ سب فریحہ کی جان بچانے کے لیے کیا تھا۔" اس نے نفی میں سر ہلاتے اسے اس کیفیت سے نکالنا چاہا تھا۔میسم ہلکا سا مسکرا دیا۔

چلیں اب مجھ سے اظہار محبت کریں اچھا سا۔ کبھی اتنی توفیق تو ہوئی نہیں آپ کو۔" وہ اپنی جون میں واپس آگئی تھی۔

میسم نے پر شوق نظریں اسکے چہرے پر جمائی تھیں۔

"تم چاہتی ہو میں تم سے اظہار محبت کروں۔" زیر لب ہنسی روکتے اسکے پوچھنے پر شانزے نے گردن اکڑا کر ہاں میں سر ہلایا تھا۔اور شانزے تو میسم عبّاس کو یوں ہی اتراتی ہوئی اچھی لگتی تھی۔

"تو سنو شانزے میسم تم میرے دل کی محرم ہو۔ کیا اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہے۔" وہ جو اس سے کوئی بہت خوبصورت لمبا چھوڑا سا اظہار محبت سننے کا ارادہ رکھتی تھی۔ منہ بنا کر رہ گئی تھی پھر اسکی آنکھوں میں دیکھتے وہ دل سے مسکرائی تھی۔ان آنکھوں کے ہوتے ہوئے اسے بھلا کسی لمبے چوڑے اظہار محبت کی ضرورت ہی کب تھی۔اپنا سر سرشاری اسکے اسی دل کے مقام پر رکھتے وہ آنکھیں موند گئی تھی جسکی وہ محرم تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ختم شد

Zubinovelszone.com